بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

# شرائطُ التضحیة فی اوقاتِ الاُضحیة

# قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء کی تحقیق

فقہی اعتبار سے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء کی تعریف

سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء میں فرق، اور ان پر مرتب ہونے والے احکام

قربانی کے قربتِ غیر معقولہ اور اداء وقضاء ہونے کی بحث

مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیہ کے اوقات متفاوت ہونے کی صورت میں قربانی کا حکم

اور اس بارے میں راجح نقطۂ نظر اور اس پر وارِد ہونے والے شبہات کا جائزہ

مؤلف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: شرائطُ التضحية فی اوقاتِ الاضحیة

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

طباعتِ اول: شعبان المعظم 1432ھ۔ جولائی 2011ء

طباعتِ چہارم: ذوالقعدة 1441ھ جولائی 2020ء

صفحات: 130

---

---

## ملنے کا پتہ

کتب خانہ ادارہ غفران چاہ سلطان گلی نمبر 17 راولپنڈی پاکستان

فون 051-5507270 فیکس 051-5780728

www.idaraghufran.org

# فہرست

| صفحہ نمبر | مضامین |
|---|---|
| 6 | **تمہید** (من جانبِ مؤلف) |
| 9 | شرائطُ التضحیة فی اوقاتِ الاضحیة<br>**قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء کی تحقیق** |
| // | قربانی کی شرعی تعریف اور قربانی کا رکن |
| 10 | قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب واداء کی حقیقت اور ان میں فرق |
| 17 | قربانی کے سببِ وجوب کی تحقیق |
| 25 | قربانی کا سببِ وجوب شہر وغیر شہر میں یکساں ہے |
| 33 | وقت کا کون سا حصہ سببِ وجوب ہے؟ |
| 43 | قربانی کی شرائطِ وجوب کی تحقیق |
| 47 | قربانی کی شرطِ اداء کی تحقیق |
| 54 | وقت کے سببِ وجوب اور شرطِ اداء ہونے کے شبہ کا جواب |
| 55 | قربانی اور اس کی قضاء قربتِ غیر معقولہ ہے |
| 59 | **خلاصۂ بحث** |

| | |
|---|---|
| دارُالعلوم کراچی کافتویٰ | 60 |
| جامعہ علومِ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن (کراچی) کافتویٰ | 68 |
| مدرسہ شاہی مرادآباد (ہندوستان) کافتویٰ | 76 |
| مقامِ مضحی واضحیة کے اوقات متفاوت ہونے کی ممکنہ صورتیں | 78 |
| **چند شبہات کا ازالہ** | 82 |
| **اہلِ علم حضرات کی آراء** | 90 |
| مولانا مفتی سید حسین احمد صاحب زیدہ مجدہٗ (کراچی) | // |
| حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم (کراچی) | // |
| حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم (کراچی) | 91 |
| حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب مدظلہم (لاہور) | 92 |
| مولانا مفتی محمد معاذ صاحب زید مجدہٗ (چکوال) | // |
| حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم (کراچی) | 93 |
| دارالعلوم کراچی کا منسلکہ فتوی | 95 |
| **عرض داشت**<br>(مفتی محمد رضوان خان) | 101 |


www.idaraghufran.org

| | |
|---|---|
| (ضمیمۂ اولیٰ)<br>رائے گرامی<br>حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم | 118 |
| معروضات<br>(مفتی محمد رضوان خان) | 119 |
| اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کی قرارداد | 125 |
| (ضمیمۂ ثانیہ)<br>دارُ العلوم اور مظاہر العلوم، انڈیا کا مصدقہ موقف | 129 |


www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تمہید

(من جانبِ مؤلف)

عیدُ الاضحیٰ کی قربانی اگرچہ مالی عبادت ہے، مگر یہ دوسری مالی عبادتوں سے ممتاز اور الگ نوعیت کی حامل اور قربتِ غیر معقولہ ہے، کہ دوسری مالی عبادتوں میں مال ضرورت مندوں پر خرچ کیا جاتا ہے، اور اس میں جانور کو ذبح کیا جاتا ہے۔

قربانی کی ادائیگی میں اصل حکم جانور کو ذبح کرنا ہی ہے، جس کو ''اِراقةِ دَم'' کہا جاتا ہے، اور یہی قربانی کا رکنِ رکین ہے۔

دوسری طرف قربانی کی حقیقت اور اس کی ادائیگی کے لئے شریعت کی طرف سے مخصوص ایام واوقات مقرر ہیں کہ ان ایام واوقات میں ہی جانور ذبح کر کے اس عبادت کو ادا کیا جاسکتا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک مخصوص ایام واوقات کے بعد یہ عبادت قضا ہوجاتی ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اس کی قضا، جانور کے ذبح کرنے یا ''اِراقةِ دَم'' سے نکل کر صدقہ بن جاتی ہے، اور پھر ذبح کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اگر کوئی ذبح بھی کردے، تب بھی اس کو صدقہ کرنے کا حکم ہوتا ہے، جس کے متعلق تفصیلی مسائل فقہی کتابوں میں مذکور وموجود ہیں۔

پھر قربانی جس طرح خود کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی دوسرے کو اپنا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ سے اپنی قربانی کرانا بھی جائز ہے۔

اور آج کل ذرائع ابلاغ اور وسائلِ سفر وروابط کے تیز ترین ہونے کی وجہ سے ایسے دور دراز مقامات پر بھی کسی کو وکیل بنا کر قربانی کرانے کی صورتیں پیش آنے لگی ہیں کہ جہاں کے اوقات بلکہ بعض دفعہ تاریخیں بھی قربانی کرانے والوں کے مقامات سے مختلف ہوتی ہیں،

www.idaraghufran.org

جبکہ قربانی کی ایسی صورتوں کا پہلے زمانوں میں (جبکہ ذرائع ابلاغ اور وسائلِ سفر وروابط تیز ترین نہ تھے) وجود نادِر تھا۔

ایسے حالات میں مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ (یعنی قربانی کرانے والے اور اس کی قربانی کے جانور والے مقامات) کے اوقات وتواریخ کے مختلف ہونے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوا کہ قربانی کے اوقات کا معیار مضحی کے مقام کے اعتبار سے ہوگا یا اضحیۃ کے مقام کے اعتبار سے؟

اس سلسلہ میں اہلِ علم حضرات کی طرف سے غور وفکر کرنے کے نتیجہ میں مختلف نقطہائے نظر پیدا ہوگئے۔

بعض نے اضحیۃ، یعنی قربانی کے جانور کے مقام کے اوقات کو معتبر ٹھہرایا، اور مضحی یعنی قربانی کرانے والے کے مقام کے اوقات کا ابتداءً وانتہاءً کوئی اعتبار نہ کیا، اور بعض نے مضحی اور اضحیۃ یعنی قربانی کرانے والے اور اس کے جانور والے دونوں مقامات کے اوقات کو ابتداءً وانتہاءً ملحوظ رکھا۔

ہم نے اس سلسلہ میں پائے جانے والے مختلف نقطہائے نظر کا مطالعہ کیا، اور شرعی وفقہی اعتبار سے متعلقہ پہلوؤں پر غور وفکر کیا۔

جس کے نتیجہ میں دلائل کے لحاظ سے مقامِ اضحیۃ یعنی جانور والے مقام کے اوقات کے ملحوظ ہونے اور مقامِ مضحی یعنی قربانی کرانے والے کے مقام کے اوقات کو نظرانداز کرنے کا موقف مرجوح اور اس کے مقابلہ میں مضحی اور اضحیۃ دونوں کے مقامات کے اوقات کے ملحوظ ہونے کا موقف اصولِ فقہ کے مطابق اور مضبوط وراجح اور احتیاط پر مبنی معلوم ہوا۔

جس کو ہم نے زیرِ نظر مضمون میں ذکر کردیا ہے۔

تاہم بعض حضرات کی طرف سے پیش کردہ بعض امور ایسے محسوس ہوئے کہ ان سے تعرض اور ان کے جوابات لاحاصل معلوم ہوئے، اور ان امور کا مسئلہ ھٰذا سے کوئی تعلق محسوس نہ ہوا،

www.idaraghufran.org

اس لئے ان سے اس مضمون میں سکوت اختیار کیا گیا، البتہ اس قسم کے متعدد امور اور پہلوؤں پر ہم نے اپنی دوسری تالیف ''ذوالحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام'' میں اپنے اپنے مقامات پر بقدرِ ضرورت کلام کر دیا ہے۔

یہ مضمون پہلے بھی شائع ہوا تھا، لیکن اس کے بعد بعض حضرات کی مزید تحریرات کی روشنی میں اس میں ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا، اور ایک صورتِ جواز میں لچک ملحوظ رکھی گئی، جس کا ذکر اس رسالہ کے آخر میں کر دیا گیا ہے۔

فقط

واللہ تعالیٰ اعلم

محمد رضوان خان

08/محرم الحرام/1438ھ 10/اکتوبر/2016ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرائطُ التضحية فی اوقاتِ الاضحیة

# قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ اداء کی تحقیق

جب کوئی شخص اپنی قربانی کسی کو وکیل بنا کر دور دراز ایسے مقام پر کرائے کہ وہاں کے طلوع وغروب کا وقت، یا قمری تاریخ اپنے یہاں کے مقام سے مختلف ہو تو اس کا فقہی حکم معلوم کرنے کے لئے قربانی سے متعلق چند فقہی قواعد کو جاننا ضروری ہے، اور ان کو نہ جاننے یا ان میں غلط فہمی پیدا ہونے سے نتیجہ تک پہنچنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے، اس لئے پہلے قربانی سے متعلق فقہی اُصول وقواعد کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے، جن کی روشنی میں اصل مسئلہ تک پہنچنے میں مدد حاصل ہوتی ہے۔

# قربانی کی شرعی تعریف اور قربانی کا رکن

شرعی اعتبار سے قربانی کی حقیقت شریعت کی طرف سے مقرر کردہ شرائط کے مطابق قربت کی نیت سے مخصوص جانور کو مخصوص وقت میں ذبح کرنا ہے، اور قربانی کی ادائیگی کا رُکن مخصوص جانور کو ذبح کرنا ہے۔ [1]

[1] وفی الشرع هی ذبح حیوان مخصوص بنیة القربة فی وقت مخصوص وهو یوم الأضحی وشرائطها الإسلام والیسار الذی یتعلق به صدقة الفطر فتجب علی الأنثی وسببها الوقت وهو أیام النحر ورکنها ذبح ما یجوز ذبحها وحکمها الخروج عن عهدة الواجب فی الدنیا والوصول إلی الثواب فی العقبی(مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، ج۲ ص۱۵۱۶، کتاب الاضحیة)

وأما شرعا فالأضحية اسم لحیوان مخصوص وهو الإبل والبقر والضأن والمعز بسن مخصوص، وهو الثنی فصاعدا من هذه الأنواع الأربعة، والجذع من الضأن یذبح بنیة القربة فی یوم مخصوص وهو یوم الأضحی عند وجود شرائطها وسببها انتهی.

وقال صاحب العنایة :وفی الشریعة عبارة عن ذبح حیوان مخصوص فی وقت مخصوص وهو یوم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب واداء کی حقیقت اوران میں فرق

اور قربانی کیونکہ مالی عبادت ہونے کے باوجود (زکاۃ وصدقات سے مختلف) قربتِ غیر معقولہ اورنماز کی طرح عباداتِ موقتہ میں سے ہے، اس لئے احناف کے نزدیک قربانی کا سببِ وجوب وقت ہے جوکہ دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے کے درمیان دائر ہے، اورقربانی کی شرطِ وجوب مسلمان، غنی، اور مقیم وغیرہ ہونا ہے، اورقربانی کی شرطِ ادا مسلمان اوروقت وغیرہ ہونا ہے۔

اورعید کی نماز کا ہونا صرف شہر کے حق میں (جہاں کہ عید کی نماز کا حکم ہو) ایک اضافی شرطِ ادا ہے۔

پس قربانی کا وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی سرے سے ذمہ میں واجب اوراس کی

﴿گزشتہ صفحے کابقیہ حاشیہ﴾

الأضحى انتهى .أقول :يرد على ظاهره أن الأضحية فى الشريعة عبارة عما يذبح من حيوان مخصوص فى وقت مخصوص لا عن ذبح ذلك الحيوان فى ذلك الوقت، فإن هذا معنى التضحية لا معنى الأضحية، وقد لوح إليه صاحب الإصلاح والإيضاح حيث قال :هى فى الشريعة ما يذبح فى يوم الأضحى بنية القربة.

وقال فيما نقل عنه :ومن قال عبارة عن ذبح حيوان مخصوص فى وقت مخصوص فإنه لم يفرق بين الأضحية والتضحية وانتهى .أقول :يمكن أن يجاب عنه بحمل الكلام على المسامحة بناء على ظهور المراد فيكون المراد بذبح حيوان مخصوص هو الحيوان المذبوح نفسه، وهذا كما قيل فى تعريف العلم بحصول صورة الشىء فى العقل أن المراد منه هو الصورة الحاصلة فى العقل على المسامحة كما حققه الشريف الجرجانى فى عدة مواضع من تصانيفه .وطعن بعض الفضلاء فى التعريف الذى ذكره صاحب العناية بوجه آخر حيث قال :اعلم أنه لا بد فى التعريف من قيد آخر وهو أن يقول بسن مخصوص لئلا ينتقض التعريف انتهى .أقول :يمكن أن يجاب عنه أيضا بأن قوله حيوان مخصوص يغنى عن ذلك القيد الآخر، فإن المراد بالمخصوص ما يعم المخصوص النوعى وهو الأنواع الأربعة الإبل والبقر والضأن والمعز، والمخصوص السنى أيضا وهو الثنى فصاعدا من الأنواع الأربعة المذكورة، والجذع من الضأن وحده، فلا ينتقض التعريف بشىء .نعم لو فصله كما وقع فى النهاية وغيرها لكان أظهر، لكنه سلك مسلك الإجمال اعتمادا على ظهور تفصيل ذلك فى تضاعيف المسائل الآتية(فتح القدير، ج۹، ص۵۰۵، ۵۰۶، كتاب الاضحية )

ادائیگی جائز و معتبر نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت داخل ہوگیا، مگر غنی اور مقیم وغیرہ ہونے کی شرط نہیں پائی گئی تو قربانی کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی۔

اور اگر شہر میں کسی بھی ایک جگہ عید کی نماز نہیں ہوئی، تو نماز سے پہلے اس شہر میں قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں ہوتا، اسی طرح اگر قربانی کا وقت ختم (یعنی بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب) ہوگیا تو قربانی ادا نہیں ہوتی، بلکہ قضاء ہوجاتی ہے، اور وہ ''اراقةِ دَم'' سے صدقہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ نماز کا معاملہ ہے کہ کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وہ نماز سرے سے ذمہ میں واجب اور اس کی ادائیگی معتبر نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت داخل ہوگیا، مگر بلوغ وغیرہ کی شرط نہیں پائی گئی تو نماز کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی۔

اور اگر وقت کی شرط فوت ہوگئی، تو نماز ادا نہیں ہوتی، بلکہ قضاء ہوجاتی ہے۔

اور نفسِ وجوب دراصل مکلّف کے ذمہ کا کسی چیز کے ساتھ مشغول ہونے کا نام ہے، جو ظاہر میں کسی چیز کے سبب سے ثابت و معلوم ہوتا ہے، اور نفسِ وجوب سے کوئی چیز مکلّف کے ذمہ واجب تو ہوجاتی ہے، مگر اس کی ادائیگی تب واجب ہوتی ہے، جبکہ شرطِ وجوب بھی پائی جائے، جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفسِ وجوب کا تعلق مکلّف اور اس کے ذمہ سے ہے۔ [1]

[1] (ثُمَّ هُوَ) أَیُ الُوَقُتُ لَمَّا بَیَّنَ أَنَّ الُوَقُتَ سَبَبٌ لِلُوُجُوبِ أَرَادَ أَنُ یُبَیِّنَ أَنَّ الُمُرَادَ بِالُوُجُوبِ نَفُسُ الُوُجُوبِ لَا وُجُوبُ الُأَدَاءِ .(سَبَبٌ لِنَفُسِ الُوُجُوبِ؛ لِأَنَّ سَبَبَهَا الُحَقِیقِیَّ الُإِیجَابُ الُقَدِیمُ وَهُوَ رَتَّبَ الُحُكُمَ عَلَى شَیُءٍ ظَاهِرٍ فَكَانَ هَذَا) أَیُ الشَّیُءُ الظَّاهِرُ، وَهُوَ الُوَقُتُ (سَبَبًا لَهَا) أَیُ لِنَفُسِ الُوُجُوبِ (بِالنِّسُبَةِ إِلَیُنَا، ثُمَّ لَفُظُ الُأَمُرِ لِمُطَالَبَةِ مَا وَجَبَ بِالُإِیجَابِ الُمُرَتِّبِ الُحُكُمَ عَلَى ذَلِكَ الشَّیُءِ) وَهُوَ الُوَقُتُ (فَیَكُونُ) أَیُ لَفُظُ الُأَمُرِ (سَبَبًا لِوُجُوبِ الُأَدَاءِ، وَالُفَرُقُ بَیُنَ نَفُسِ الُوُجُوبِ وَوُجُوبِ الُأَدَاءِ أَنَّ الُأَوَّلَ هُوَ اشُتِغَالُ ذِمَّةِ الُمُكَلَّفِ بِالشَّیُءِ، وَالثَّانِی هُوَ لُزُومُ تَفُرِیغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنُ سَبُقِ حَقٍّ فِی ذِمَّتِهِ فَإِذَا اشُتَرَى شَیُئًا یَثُبُتُ الثَّمَنُ فِی الذِّمَّةِ) فَثُبُوتُ الثَّمَنِ فِی الذِّمَّةِ نَفُسُ الُوُجُوبِ( أَمَّا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر سبب اور شرط دو الگ الگ قسمیں ہیں، سبب، مسبب کی طرف موصل ومفضی اور اس سے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لُزُومُ الْأَدَاءِ فَعِنْدَ الْمُطَالَبَةِ بِنَاءً عَلَى أَصْلِ الْوُجُوبِ ، وَأَيْضًا وَاجِبٌ عَلَى الْمُغْمَى عَلَيْهِ وَالنَّائِمِ وَالْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ وَلَا أَدَاءَ عَلَيْهِمْ لِعَدَمِ الْخِطَابِ ) أَمَّا فِي الْأَوَّلَيْنِ فَلِأَنَّ خِطَابَ مَنْ لَا يَفْهَمُ لَغْوٌ ، وَأَمَّا فِي الْأَخِيرَيْنِ فَلِأَنَّهُمَا مُخَاطَبَانِ بِالصَّوْمِ فِي أَيَّامٍ أُخَرَ( وَلَا بُدَّ لِلْقَضَاءِ مِنْ وُجُوبِ الْأَصْلِ فَيَكُونُ نَفْسُ الْوُجُوبِ ثَابِتًا وَيَكُونُ سَبَبُهُ ) أَيْ سَبَبُ نَفْسِ الْوُجُوبِ ( شَيْئًا غَيْرَ الْخِطَابِ وَهُوَ الْوَقْتُ ) لِمَا ذَكَرْنَا مِنْ عَدَمِ الْخِطَابِ ؛ لِأَنَّهُ لَا شَيْءَ غَيْرُ الْوَقْتِ ، وَالْخِطَابُ يَصْلُحُ لِلسَّبَبِيَّةِ فَالسَّبَبِيَّةُ مُنْحَصِرَةٌ فِيهِمَا إمَّا لِهَذَا أَوْ لِلْإِجْمَاعِ فَيَلْزَمُ مِنْ نَفْيِ أَحَدِهِمَا ثُبُوتُ الْآخَرِ ، ثُمَّ اعْلَمْ أَنَّ بَعْضَ الْعُلَمَاءِ لَا يُدْرِكُونَ الْفَرْقَ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ ، وَيَقُولُونَ إنَّ الْوُجُوبَ لَا يَنْصَرِفُ إلَّا إلَى الْفِعْلِ، وَهُوَ الْأَدَاءُ فَبِالضَّرُورَةِ يَكُونُ نَفْسُ الْوُجُوبِ هِيَ نَفْسُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ فَلَا يَبْقَى فَرْقٌ بَيْنَهُمَا، وَلِلَّهِ دَرُّ مَنْ أَبْدَعَ الْفَرْقَ بَيْنَهُمَا، وَمَا أَدَقَّ نَظَرَهُ، وَمَا أَمْتَنَ حِكْمَتَهُ(التوضيح فی حل غوامض التنقیح مع شرح التلويح ج ا ص ۳۹۱،۳۹۴،الباب الثانی،فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبی البخاری الحنفی)

نفس الوجوب فی الذمة بوجود السبب ووجوب الأداء بالمطالبة (تبيين الحقائق، ج ا ، ص ۳۴۰، كتاب الصوم، فصل فی العوارض)

الذمم لا تختلف فی نفس الوجوب وإنما تختلف فی الإيفاء (تبيين الحقائق، ج۴، ص ۱۷۲ ، كتاب الحوالة)

والحاصل أن بتحقق سبب الوجوب يجب الشیء فی الذمة فإذا وجد المال النصاب وجبت فی الذمة، وتعلقت بالزكاة، وأما وجوب الأداء الموقوف على مطالبة الشارع فهو إنما يتعلق بعد حولان الحول (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج۳،ص ۱۸۹ ،كتاب الزكاة)

الوقت ظرفاً للمؤدی وشرطا للاداء وسببا للوجوب...... والمراد بالشرط ان لايصح المامور قبل وجوده ويفوت بفوته (نورالانوار،ص۵۶،مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع)

قوله"للوجوب" ای لنفس الوجوب، فان وجوب الاداء بالامر ، والسبب عندهم مايكون معرفا بتحقق المسبب ومفضيا الی وجوده ،كذاقيل (قمر الاقمار حاشية نورالانوار، حواله بالا)

ولا يصح الاداء قبل دخول الوقت ويفوت بفوته ، فيكون شرطا ، ويختلف الاداء باختلاف صفة الوقت صفة وكراهة ، فيكون سببا للوجوب ،وتقديم المشروط على الشرط جائز اذا كان الشرط شرطا للوجوب،كما فی حولان الحول للزكاة ، واما اذا كان الشرط شرطا للجواز لايصح التقديم عليه كسائر شرائط الصلاة ،وتقديم المسبب على السبب لايجوز اصلا وههنا لما اجتمعت الشرطية والسببية فلاجرم ان لايجوز التقديم على الوقت ،ثم ههنا شيئان نفس الجوب ووجوب الاداء، فنفس الوجوب سببه الحقيقی هو الايجاب القديم ،وسببه الظاهری ، وهو الوقت اقيم مقامه، ووجوب الاداء سببه الحقيقی تعلق الطلب بالفعل ،وسببة الظاهری وهو الامر اقيم مقامه (نورالانوار،ص۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع )

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

متصل ہوتا ہے، اور شرط پر مشروط کا وجود موقوف ہوتا ہے، اگر اس شرط کا مشروط، وجوب ہے، تو اس شرط پر وجوب اور اگر اس شرط کا مشروط اداء ہے، تو اس شرط پر اداء موقوف ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے سبب، مسبب پر اور شرط، مشروط پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

نفس الوجوب الذی مناطه وجود السبب(رد المحتار علی الدر المختار، ج۲، ص۳۵۷، باب صدقة الفطر)

لَا يَثْبُتُ بِالسَّبَبِ إِلَّا نَفْسُ الْوُجُوبِ(کشف الأسرار، ج۱، ص۱۳۹، باب الأمر)

أَنَّ نَفْسَ الْوُجُوبِ بِالسَّبَبِ وَوُجُوبَ الْأَدَاءِ بِالْخِطَابِ إجْمَاعُهُمْ(کشف الأسرار، ج۴، ص۳۴۲، باب بیان اسباب الشرائع)

مگر مندرجہ عبارات کے برعکس مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) لکھتے ہیں کہ:

سببِ وجوب کے لفظ سے نفسِ وجوب مراد لینا ہی محلِ نظر ہے(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اکتوبر، نومبر 2008ء، ص۵۵)

نفسِ وجوب کے لئے وقت متعین نہیں ہے، وجوبِ اداء کے لئے وقت کا ہونا ضروری ہے(ایضاً ص۵۶)

ذمہ کے مشغول بالواجب ہونے کا مدار فقط کسی چیز کو سبب کہے جانے پر نہیں ہے(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص۳۶)

حالانکہ فقہائے کرام کی مندرجہ بالا عبارات میں نفسِ وجوب کا، سبب سے ثابت ہونا واضح ہے، بلکہ بعض عبارات میں سبب کے ذریعہ سے نفسِ وجوب کے اثبات پر حصر بیان کیا گیا ہے، اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے نفسِ وجوب کا مدار ہی وجودِ سبب پر بیان کیا ہے، البتہ بعض اوقات فقہائے کرام شرطِ وجوب بول کر وجوبِ ادا مراد لیتے ہیں، نہ کہ نفسِ وجوب۔

یمکن أن یجاب بأن المراد بالوجوب فی قوله إن ذلک شرط الوجوب هو وجوب الأداء دون نفس الوجوب(فتح القدیر، ج۹ ص۳۸۰، کتاب الشفعة)

[1] قد تقرر فی علم الأصول أن الشرط والسبب قسمان قد اعتبر فی أحدهما ما ینافی الآخر، فإنه قد اعتبر فی السبب أن یکون موصلا إلی المسبب فی الجملة، وفی الشرط أن یکون موصلا إلی المشروط أصلا بل کان وجود المشروط متوقفا علیه، ومن الممتنع أن یکون شیء واحد موصلا إلی شیء واحد آخر، وأن لا یکون موصلا إلیه فی حالة واحدة لاقتضائه اجتماع النقیضین، وعن هذا قالوا فی الصلاة إن الوقت سبب لوجوبها وشرط لأدائها فلم یلزم أن یکون سببا وشرطا بالنسبة إلی شیء واحد(فتح القدیر، ج۹ ص۵۰۶، کتاب الاضحیة)

السبب ما یکون مفضیا إلی المسبب إذ هو فی اللغة اسم لما یتوصل به إلی الشیء (بدائع الصنائع، ج۳، ص۲۰، کتاب الایمان، فصل فی حکم الیمین بالله تعالی)

أدنی درجات السبب أن یکون مفضیا إلی المسبب (تبیین الحقائق، ج۳، ص۹۸، کتاب الاعتاق، باب التدبیر)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور شرطِ وجوب اور شرطِ اداء میں یہ فرق ہے کہ شرطِ وجوب کے بغیر اس فعل کی ادائیگی ذمہ میں

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ثُمَّ بَدَأَ بِالْأَوْقَاتِ لِتَقَدُّمِ السَّبَبِ عَلَى الْمُسَبَّبِ (البحر الرائق، ج ۱، ص ۲۵۷، کتاب الصلاۃ)

وَلَا يُعْقَلُ تَقَدُّمُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ (البحر الرائق، ج ۳، ص ۲۹۳، کتاب الطلاق، بَابُ أَلْفَاظُ الطَّلَاقِ)

لامتناع تقدم المسبب على السبب (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص ۵۰، كتاب الصلاة)

تَقْدِيمُ الْمُسَبَّبِ عَلَى السَّبَبِ، وَهُوَ فَاسِدٌ (البحر الرائق، ج ۴، ص ۳۰۷، كتاب الايمان)

وقدم الأوقات؛ لأنها الأسباب وهي متقدمة على المسببات (مجمع الانهر، ج ۱، ص ۶۷، كتاب الصلاة)

المسبب لا يوجد بدون السبب (البناية، ج ۵، ص ۱۴۹، كتاب النكاح، باب المهر)

وبدون تقرر السبب لا يثبت الوجوب (المبسوط، لشمس الأئمة السرخسي، ج ۳، ص ۱۰۵، باب صدقة الفطر)

لا خلاف في أن وجوب الأداء لا يتقدم على نفس الوجوب (شرح التلويح على التوضيح، ج ۱، ص ۳۹۶، الباب الثاني، فصل المامور به)

فإذا ثبت تقرر السبب ثبت صحة الاداء (أصول السرخسي، ج ۲، ص ۲۷۹، فصل: في بيان فساد الوضع)

والشروط تكون مقدمة على المشروط له (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، ج ۱، ص ۲۲۰، باب صلاة الجمعة)

الأصل في السبب هو الاتصال بالمسبب كما في شرح المنار لابن نجيم (رد المحتار، ج ۱، ص ۳۵۶، كتاب الصلاة)

ان الاصل ان كل مسبب متصل بسببه ،فان اديت الصلاة في اول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمة ، وهو الجزء الذى لايتجزأ سببا لوجوب الصلاة (نور الانوار، ص ۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع )

فالأضحية اسم لحيوان مخصوص......يذبح بنية القربة في يوم مخصوص وهو يوم الأضحى عند وجود شرائطها وسببها (فتح القدير، ج ۹ ص ۵۰۵، كتاب الاضحية)

والشرط يكون سابقا على المشروط (تبيين الحقائق، ج ۲، ص ۲۰۳)

المشروط يجامع الشرط ولا يوجد بدونه والشرط يكون سابقا على المشروط، وكذا الظرف يكون سابقا على المظروف (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱، ص ۳۶۳، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق)

وما يثبت شرطا لحكم شرعي يكون مقدما عليه ضرورة تقدم الشرط على المشروط (التقرير والتحرير في علم الأصول، ج ۱، ص ۱۴۱، مسألة الأكثر إذ تعلق)

الشَّرْطَ مُقَدَّمٌ عَلَى الْمَشْرُوطِ لَا مَحَالَةَ (كشف الاسرار، ج ۲ ص ۱۲۳، باب حروف المعاني )

لَا بُدَّ مِنْ تَقَدُّمِ الشَّرْطِ عَلَى الْمَشْرُوطِ تَحْقِيقًا (ايضاً، ج ۲، ص ۲۳۶، باب وجوه الوقف على احكام النظم )

الشَّرْطَ لَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ سَابِقًا عَلَى الْمَشْرُوطِ (كشف الاسرار، ج ۴، ص ۲۱۹، بَابُ تَقْسِيمِ الشَّرْطِ)

www.idaraghufran.org

لازم نہیں ہوتی، اور اس کو بجالانے اور ادا کرنے کا انسان کو امر نہیں ہوتا اور شرطِ اداء کے بغیر اس فعل کی ادائیگی صحیح نہیں کہلاتی، جس سے معلوم ہوا کہ اداء کا اصل تعلق فعل کے ساتھ ہے۔

اور شرطِ اداء وشرطِ وجوب کے درمیان عام خاص من وجہٍ کی نسبت ہے، نہ کہ تلازم کی۔ [1]

اب تک کی گفتگو سے مندرجہ ذیل چند اصولی باتیں معلوم ہوئیں:

---

[1] اسی وجہ سے اگر کسی پر قربانی واجب نہ ہو، بوجہ شرطِ وجوب (مثلاً غناء) نہ پائے جانے کے، مگر وہ سببِ وجوب کے بعد قربانی ادا کرے، تو جائز ہے۔

والفرق أن الأداء لا يصح بانتفاء شروطه ويصح بانتفاء شروط الوجوب (رد المحتار على الدر المختار، ج۲ص۱۳۷، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة)

وشرائط الوجوب هي ما إذا اجتمعت وجبت الطهارة على شخص .وشرائط الصحة ما لا تصح الطهارة إلا بها، ولا تلازم بين النوعين بل بينهما عموم وجهي (رد المحتار على الدر المختار، ج ۱ ص ۸۶، کتاب الطهارة)

والفرق بين هذه الشُّروطِ وتلكَ الشَّرائط، أنَّ شرائطَ الوجوبِ إذا انعدمَ كلُّها أو بعضُها لم يصحَّ الوجوب، لكن لو أدَّى يصحُّ الأداء ، وشرائطُ الأداءِ إذا فقدتْ لم يصحَّ الأداءُ مطلقاً (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، باب صلاة الجمعة)

قال صدر الإسلام أبو اليسر :نفس الوجوب اشتغال الذمة بالواجب كالصبي إذا أتلف مال إنسان يشتغل ذمته بوجوب القيمة ولا يجب عليه الأداء بل يجب على وليه وكذا القصاص يجب على القاتل ولا يجب عليه أداء الواجب وهو القصاص وإنما يجب عليه تسليم النفس إذا طلب من له القصاص بتسليم النفس لاستيفاء القصاص، ثم قال الوجوب أمر حكمي والأمر الحكمي يعرف بالحكم وحكمه أنه إذا أدى ما في ذمته يقع واجبا .قوله (وأفاد صحة الأداء ) ؛ لأن الوجوب لما ثبت كان جواز الأداء من ضروراته على ما عليه عامة الفقهاء والمتكلمين فإن الوجوب يفيد جواز الأداء عندهم، لكنه أي لكن السبب أو نفس الوجوب لا يوجب الأداء للحال، وقوله؛ لأن الوجوب يجوز أن يكون دليلا على قوله لا يوجب الأداء للحال (كشف الاسرار، ج ۱ ص ۲۱۵، باب تقسيم المأمور به في حكم الوقت)

ومن حكمه أن التأخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (أصول البزدوي مع شرحه كشف الاسرار، ج ۱، ص ۲۲۹، باب تقسيم المأمور به في حكم الوقت)

فالاداء إنما يتحقق في الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدي قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء .وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (أصول السرخسي، ج ۱، ۳۰، فصل: في بيان موجب الامر في حكم الوقت)

(1)...... جو چیز قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب ہوگی، اس کا تعلق مکلّف کے ذمہ سے ہوگا۔ [1]

(2)...... جو چیز قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب ہوگی، اس سے ذمہ میں نفسِ وجوب ثابت ہوگا، لیکن صرف اس کے پائے جانے پر قربانی کی ادائیگی واجب ولازم نہ ہوگی۔ [2]

(3)...... جو چیز قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب ہوگی، اس کا قربانی کے فعلِ اداء (یعنی ''اراقۃِ دَم'') سے تقدم واتصال ضروری ہوگا۔ [3]

(4)...... جو چیز قربانی کے واجب ہونے کی شرط ہوگی، اس کے پائے جانے پر قربانی کی ادائیگی واجب ہوجائے گی۔ [4]

(5)...... جو چیز قربانی کی شرطِ اداء ہوگی، اس کے بغیر قربانی بشکلِ ''اراقۃِ دَم'' ادائیگی درست وصحیح نہیں کہلائے گی۔ [5]

(6)...... اگر قربانی کا اپنے وقت میں ''اراقۃِ دَم'' کی شکل میں ادا کرنا نہیں پایا

---

[1] وَالْفَرْقُ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّيْءِ، وَالثَّانِي هُوَ لُزُومُ تَفْرِيغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِي ذِمَّتِهِ(التوضيح فی حل غوامض التنقيح مع شرح التلويح ج ا ص ۳۹۲ ،الباب الثانی،فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبی البخاری الحنفی)

[2] لَكِنَّ السَّبَبَ أَوْ نَفْسَ الْوُجُوبِ لَا يُوجِبُ الْأَدَاءَ لِلْحَالِ(كشف الأسرار،ج۲،ص۳۰۶،باب العزيمة والرخصة)

[3] فإذا ثبت تقرر السبب ثبت صحة الاداء (أصول السرخسی،ج۲،ص۲۷۹،فصل :فی بيان فساد الوضع)

المسبب لا يوجد بدون السبب (البناية شرح الهداية ، ج۵، ص ۱۴۹ ، كتاب النكاح، باب المهر)

الأصل فی السبب هو الاتصال بالمسبب كما فی شرح المنار لابن نجيم (رد المحتار، ج ا ، ص ۳۵۲، كتاب الصلاة)

[4] وشرائط الوجوب هی ما إذا اجتمعت وجبت (رد المحتار علی الدر المختار، ج ا ص ۸۶،كتاب الطهارة)

[5] الأداء لا يصح بانتفاء شروطه (رد المحتار علی الدر المختار،ج۲ص۱۳۷،كتاب الصلاة،باب الجمعة)

www.idaraghufran.org

گیا، تو وہ ادا نہیں رہے گی، بلکہ قضاء ہوجائے گی، اور ''اراقۃِ دَم'' سے تصدق بن جائے گی۔ [1]

آ گے ان امور کی فقہائے کرام کی تصریحات وعبارات کی روشنی میں تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

## قربانی کے سببِ وجوب کی تحقیق

قربانی کا سببِ وجوب، وقت ہے، جس کا آغاز یومُ النحر کی طلوعِ فجر سے ہوجاتا ہے، اور بارہ ذی الحجہ کے غروب پر اس کا اختتام ہوجاتا ہے۔

چنانچہ امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

**وأما وقت الوجوب فأيام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت؛ لأن الواجبات المؤقتة لا تجب قبل أوقاتها كالصلاة والصوم ونحوهما، وأيام النحر ثلاثة: يوم الأضحى – وهو اليوم العاشر من ذی الحجة – والحادی عشر، والثانی عشر وذلک بعد طلوع الفجر من اليوم الأول إلى غروب الشمس من الثانی عشر...... فإذا طلع الفجر من اليوم الأول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب، ثم لجواز الأداء**

---

[1] إراقة الدم غير معقول المعنى فلا تكون قربة إلا فی وقتها . وإذا مضى وقتها لا تسقط أيضا وإنما ينتقل إلى التصدق (تبيين الحقائق، ج ١، ص ٣١١، باب صدقة الفطر)

ويتصدق بالكل فيتصدق بفضل ما بين المذبوح وغير المذبوح؛ لأنه لو وقع فی غير وقته لا يخرج عن العهدة إلا بذلک، كذا فی محيط السرخسی (الفتاوى الهندية، ج٥ ص ٢٩٥، كتاب الأضحية، الباب الثالث فی وقت الأضحية)

إِرَاقَةَ الدَّمِ لَمْ تُعْرَفْ قُرْبَةً فِی غَيْرِ هَذِهِ الْأَيَّامِ (التوضيح مع شرحه التلويح ، ج ١، ص ٣٢٠، فصل الإتيان بالمأمور به نوعان)

فَإِذَا ذَهَبَ وَقْتُ التَّضْحِيَةِ وَجَبَ التَّمْلِيكُ بِالشَّاةِ أَوْ الْقِيمَةِ (كشف الأسرار، ج ١، ص ١٥٦)

ولا يصح الاداء قبل دخول الوقت ويفوت بفوته ، فيكون شرطا (نور الانوار، ص٥٧، مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع)

www.idaraghufran.org

**بعد ذلک شرائط أخر نذكرها فی موضعها إن شاء الله تعالى فإن وجدت يجوز وإلا فلا، كما تجب الصلاة بدخول وقتها ثم إن وجدت شرائط جواز أدائها جازت وإلا فلا** (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۵، ص ۶۵، کتاب التضحیة، فصل فی وقت وجوب الأضحیة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

ترجمہ: اور قربانی کا وقتِ وجوب ایامِ نحر ہیں، پس قربانی وقت داخل ہونے سے پہلے واجب نہیں ہوتی، اس لئے کہ واجباتِ موقتہ اپنے اوقات سے پہلے واجب نہیں ہوا کرتے، جیسا کہ نماز اور روزہ وغیرہما۔

اور ایامِ نحر تین ہیں، ایک عیدالاضحیٰ کا دن، جوکہ ذی الحجہ کا دسواں دن ہے؛ اور گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ۔

اور یہ وقتِ وجوب پہلے دن کے طلوعِ فجر سے شروع ہوکر بارہ ذی الحجہ کے غروبِ شمس تک جاری رہتا ہے۔

پس جب پہلے دن کی فجر طلوع ہوجائے گی تو وقتِ وجوب داخل ہوجائے گا، پھر تمام شرائطِ وجوب پائے جانے پر قربانی واجب ہوجائے گی۔ [1]

پھر اس (وقتِ وجوب اور شرائطِ وجوب کے پائے جانے) کے بعد قربانی کی ادائیگی جائز ہونے کے لئے دیگر شرائط ہیں، جن کا ہم اپنے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر کریں گے، پھر اگر وہ (قربانی کی ادائیگی جائز ہونے کی شرائط) بھی پائی جائیں، تو قربانی جائز ہوگی، ورنہ جائز نہیں ہوگی۔

جیسا کہ نماز وقت داخل ہونے سے واجب ہوتی ہے، پھر اگر اُس کی ادائیگی کے

---

[1] اس سے معلوم ہوا کہ وقتِ وجوب سے سببِ وجوب مراد ہے، کیونکہ آگے قربانی کے واجب ہونے کو شرائطِ وجوب پر معلق کیا گیا ہے، نیز سببِ وجوب یعنی وقت داخل ہونے کے بعد ہی شرائطِ وجوب کا مؤثر و معتبر ہونا بھی اس عبارت سے واضح ہے۔

www.idaraghufran.org

جائز ہونے کی شرائط پائی جائیں تو نماز جائز ہوتی ہے، ورنہ جائز نہیں ہوتی (بدائع الصنائع)

امام کاسانی رحمہ اللہ کی مذکورہ جامع عبارت سے جہاں ایک طرف قربانی کے لئے وقت کا سببِ وجوب ہونا معلوم ہوا، اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف سببِ وجوب کے پائے جانے پر قربانی کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی، بلکہ وجوبِ اداء کے لئے سببِ وجوب کے بعد شرائطِ وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن پھر قربانی کی ادائیگی درست وجائز ہونے کے لئے صرف سببِ وجوب اور شرائطِ وجوب کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ اس کے بعد شرائطِ جوازِ اداء کا پایا جانا بھی ضروری ہے، جیسا کہ نماز کے وقت کا حکم ہے۔

امام کاسانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے ہی قربانی کی شرائطِ وجوب اور شرائطِ اداء وجواز پر کلام آگے آتا ہے۔

اور وقتِ وجوب سے مراد سببِ وجوب یا نفسِ وجوب کا سبب ہی ہے، کیونکہ وقت کا سببِ وجوب ہونا فقہائے محققین کے درمیان مسلَّمہ مسئلہ ہے، جیسا کہ نماز کے وقت کا معاملہ ہے۔ فقہائے کرام عام طور پر اختصار کے پیشِ نظر سببِ وجوب کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں، مگر مراد اس سے نفسِ وجوب ہی کا سبب ہوا کرتا ہے، کیونکہ سبب کے ذریعہ سے، نفسِ وجوب ہی ثابت ہوا کرتا ہے، نہ کہ وجوبِ اداء۔ [1]

---

[1] فأما الصلاة فواجبة بإيجاب الله تعالى بلا شبهة، وسبب وجوبها فى الظاهر هو الوقت فى حقنا وأمرنا بأدائها بقوله تعالى: (أقم الصلاة لدلوك الشمس) أى لوجوبها بدلوك الشمس، والدليل عليه أنها تنسب إلى الوقت شرعا، فيقال فرض الوقت وصلاة الفجر والظهر، وإنما يضاف الواجب إلى سببه، وكذلك يتكرر الوجوب بتكرر الوقت، والخطاب لا يوجب التكرار وهى لا تضاف إلى الخطاب شرعا وليس هنا سوى الوقت والخطاب، فتبين بهذا أن الوقت هو السبب ولهذا لا يجوز تعجيلها قبل الوقت ويجوز بعد دخول الوقت مع تأخير لزوم الاداء بالخطاب إلى آخر الوقت......ولكن لما انعدمت الاهلية عند وجود السبب لم يثبت الوجوب فى حقه، فلما وجدت الاهلية فى الفصل الاول ثبت الوجوب، ومن باع بثمن مؤجل فالثمن يجب بنفس العقد والخطاب بالاداء متأخر إلى مضى الاجل فهذا مثله (أصول السرخسى، ج ا ص ۱۰۲، ۱۰۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور علامہ شامی رحمہ اللہ ''الدرُّالمختار'' کے قول ''وَسَبَبُهَا الْوَقْت'' کے ضمن میں صاحبِ نہایۃ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

ثُمَّ حَقَّقَ أَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْوَقْتُ لِأَنَّ السَّبَبَ إنَّمَا يُعْرَفُ بِنِسْبَةِ الْحُكْمِ إلَيْهِ وَتَعَلُّقِهِ بِهِ إذْ الْأَصْلُ فِيْ إضَافَةِ الشَّيْءِ إلَى الشَّيْءِ أَنْ يَّكُوْنَ سَبَبًا وَكَذَا إذَا لَازَمَهُ فَتَكَرَّرَ بِتَكَرُّرِهِ، وَقَدْ تَكَرَّرَ وُجُوبُ الْأُضْحِيَّةِ بِتَكَرُّرِ الْوَقْتِ وَهُوَ ظَاهِرٌ وَوُجِدَتْ الْإِضَافَةُ فَإِنَّهُ يُقَالُ يَوْمُ الْأَضْحٰى كَمَا يُقَالُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ أَوْ الْعِيدِ وَإِنْ كَانَ الْأَصْلُ إضَافَةُ الْحُكْمِ إلٰى سَبَبِهِ كَصَلَاةِ الظُّهْرِ، لَكِنْ قَدْ يُعْكَسُ كَيَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى سَبَبِيَّةِ الْوَقْتِ اِمْتِنَاعُ التَّقْدِيْمِ عَلَيْهِ كَامْتِنَاعِ تَقْدِيْمِ

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

نفس الوجوب الذی مناطه وجود السبب(رد المحتار على الدر المختار، ج۲،ص۳۵۷،باب صدقة الفطر)

لَا يَثْبُتُ بِالسَّبَبِ إلَّا نَفْسُ الْوُجُوبِ(كشف الأسرار، ج ا ،ص ۱۳۹ ،باب الامر)

أَنَّ نَفْسَ الْوُجُوبِ بِالسَّبَبِ وَوُجُوبَ الْأَدَاءِ بِالْخِطَابِ إجْمَاعُهُمْ(كشف الأسرار، ج۲،ص ۳۴۲،باب بيانِ أسباب الشرائع)

سبب الوجوب آخر الوقت إن لم يؤد قبله فالمراد بوجوبها أول الوقت الوجوب الموسع وهذا سبب نفس الوجوب(حاشية الشرنبلالی،علی درر الحكام شرح غرر الأحكام،ج ا ،ص ۵۰،كتاب الصلاة)

فيثبت نفس الوجوب بناء على السبب(التوضيح مع شرحه التلويح ،ج ا ،ص ۲۸۴)

يثبت أی نفس الوجوب بالسبب(التوضيح مع شرحه التلويح ،ج ا ،ص ۳۸۰)

لما بين أن الوقت سبب للوجوب أراد أن يبين أن المراد بالوجوب نفس الوجوب لا وجوب الأداء ، سبب لنفس الوجوب لأن سببها الحقيقی الإيجاب القديم وهو رتب الحكم على شیء ظاهر فكان هذا أی الشیء الظاهر وهو الوقت سببا لها أی لنفس الوجوب بالنسبة إلينا(التوضيح مع شرحه التلويح ،ج ا ،ص ۳۹۱،۳۹۲)

ان عبارات کی روشنی میں یہ سمجھنا بھی مشکل نہ رہا کہ موجودہ دور کے بعض لوگوں کا سببِ وجوب سے نفسِ وجوب کے بجائے، وجوبِ اداء مراد لینا، یا اس کا تعلق مکلّف کے ذمہ کے بجائے فعلِ اداء سے جوڑنا درست نہیں۔

www.idaraghufran.org

الصَّلاةِ، وَإِنَّمَا لَمْ تَجِبْ عَلَى الْفَقْدِ (لعله الفقير. ناقل) لِفَقْدِ الشَّرْطِ وَهُوَ الْغِنٰى وَإِنْ وُجِدَ السَّبَبُ اهـ وَتَبِعَهُ فِي الْعِنَايَةِ وَالْمِعْرَاجِ (رد المحتار على الدر المختار، ج٦ ص ٣١٢، ٣١٣، كتاب الأضحية، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: پھر (صاحبِ نہایۃ نے) اس بات کو محقق کیا ہے کہ قربانی کا سبب وقت ہے، اس لئے کہ سبب اُس کی طرف حکم کی نسبت اور اُس کے ساتھ تعلق کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے، کیونکہ کسی چیز کی دوسری چیز کی طرف اضافت میں اصل یہ ہے کہ وہ اس کا سبب ہو، اور اسی طریقے سے جب وہ اُس کو ملازم (وملاصق) ہو، تو وہ اس کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتا ہے، اور قربانی کا وجوب وقت کے مکرر ہونے سے مکرر ہوتا ہے، جو کہ ظاہر ہے، اور اضافت بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یومُ الاضحیٰ اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ یومُ الجمعۃ اور یومُ العید، اگرچہ اصل حکم کی اضافت اُس کے سبب کی طرف ہونا ہے، جیسا کہ صلاۃُ الظھر، لیکن بہت مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے جیسے یومُ الجمعۃ۔

اور وقت کے سبب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ قربانی کو وقت پر مقدم کرنا ممنوع ہے، جیسا کہ نماز کو وقت پر مقدم کرنا ممنوع ہے، اور فقیر پر (قربانی) شرطِ وجوب کے نہ پائے جانے کی وجہ سے واجب نہیں ہوتی، جو کہ غناء ہے؛ اگرچہ سبب (یعنی وقت) کیوں نہ پایا جائے، اور ''العنایۃ'' اور ''المعراج'' میں بھی ''النہایۃ'' کی ہی اتباع کی ہے (ردُّ المحتار)

اور فتحُ القدیر میں وقت کا سببِ وجوبِ اضحیۃ اور غناء کا شرطِ وجوب ہونا بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی غناء کے سببِ وجوب ہونے کی نفی کی گئی ہے، کیونکہ اس میں اضافت نہیں پائی جاتی، جیسا کہ وقت میں اضافت پائی جاتی ہے۔

www.idaraghufran.org

چنانچہ یومُ الاضحیٰ تو کہا جاتا ہے لیکن اُضحیۃُ المال یا مالُ الاضحیۃ نہیں کہا جاتا۔ ۱؎

اورصاحب ''البناية'' نے بھی وقت کو سببِ وجوب قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے کہ ''ولا نزاع فی أن سببه ذلک ''یعنی وقت کے سببِ وجوبِ اضحیۃ ہونے میں کوئی نزاع نہیں۔ ۲؎

اورصاحبِ ''العناية'' نے بھی یہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

اور وقت کو سبب قرار دیے جانے پر جو یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ اگر وقت سبب ہو تو فقیر پر بھی تحققِ سبب کی وجہ سے قربانی واجب ہونی چاہئے؟

اس کے جواب میں صاحبِ ''العناية'' نے فرمایا کہ غناء شرطِ وجوب ہے، جس کے نہ پائے جانے کی صورت میں قربانی واجب ہونے کا شبہ درست نہیں، اور عمل کی ادائیگی تب واجب ہوتی ہے، جبکہ سببِ وجوب کے بعد شرطِ وجوب بھی پائی جائے۔ ۳؎

---

۱؎ فأقول وبالله التوفيق :إن سبب وجوب الأضحية الوقت وهو أيام النحر والغنى شرط الوجوب، وإنما قلنا ذلک لأن السبب إنما يعرف بنسبة الحكم إليه وتعلقه به، إذ الأصل فی إضافة الشیء إلی الشیء أن يكون حادثا به سببا، وكذا إذا لازمه فتكرر بتكرره كما عرف ثم هاهنا تكرر وجوب الأضحية بتكرر الوقت ظاهر، وكذلک الإضافة فإنه يقال يوم الأضحى كما يقال يوم الجمعة ويوم العيد، وإن كان الأصل هو إضافة الحكم إلی سببه كما فی صلاة الظهر، ولكن قد يضاف السبب إلی حكمه كما فی يوم الجمعة، ومثل هذه الإضافة فی الأضحية لم توجد فی حق المال؛ ألا يرى أنه لا يقال أضحية المال ولا مال الأضحية فلا يكون المال سببها انتهى(فتح القدير، ج۹ ص ۵۰۶، کتاب الاضحیۃ)

۲؎ وسببها الوقت وهو أيام النحر؛ لأن السبب إنما يعرف بنسبة الحكم إليه.

وتعلقت به إذ الأصل فی إضافة الشیء إلی الشیء أن يكون سببا، وكذا الأزمنة فيتكرر بتكرره كما عرف فی الأصول، ثم الأضحية تكررت بتكرر الوقت، وهو ظاهر، وقد أضيف المسبب إلی حكمه فقال :يوم الأضحى، فكان كقولهم يوم الجمعة ويوم العيد ولا نزاع فی أن سببه ذلک، ومما يدل على سببية الوقت امتناع التقديم عليه كامتناع تقديم الصلاة عليها .فإن قلت :لو كان الوقت سببا لوجبت على الفقير؟قلت :الغنى شرط الوجوب(البناية شرح الهدايةمج ۱۲ ص۳،کتاب الأضحية)

۳؎ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

وسببها الوقت وهو أيام النحر، لأن السبب إنما يعرف بنسبة الحكم إليه وتعلقه به، إذ الأصل فی إضافة الشیء إلی الشیء أن يكون سببا، وكذا إذا لازمه فتكرر بتكرره كما عرف فی الأصول. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پس قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب وقت ہے، اس لئے قربانی کو وقت پر مقدم کرنا ممنوع ہے"لامتناع تقدم المسبب علی السبب" نیز وقت سے پہلے قربانی سرے سے ذمہ میں واجب ہی نہیں ہوتی، اور سببِ وجوب کے بعد ہی ذمہ میں واجب ہوتی اور اس کا کرنا جائز ہوتا ہے، اور اگر شرائطِ وجوب بھی پائی جائیں تو اس کی ادائیگی ذمہ میں واجب ولازم ہوجاتی ہے۔

پھر قربانی کی ادائیگی (جو کہ رکنِ ذبح کے صحیح تحقق سے ہوتی ہے) کے درست ہونے کے لئے بھی کچھ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں خود وقت بھی داخل ہے، جس پر کلام آگے آتا ہے۔ [1]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم إن الأضحية تكررت بتكرر الوقت وهو ظاهر، وقد أضيف السبب إلى حكمه .يقال يوم الأضحى فكان كقولهم يوم الجمعة ويوم العيد، ولا نزاع في سببية ذلك، ومما يدل على سببية الوقت امتناع التقديم عليه كامتناع تقديم الصلاة على وقتها، لا يقال: لو كان الوقت سببا لوجب على الفقير لتحقق السبب، لأن الغنى شرط الوجوب والفرض عدمه، وهي واجبة بالقدرة الممكنة بدليل أن الموسر إذا اشترى شاة للأضحية في أول يوم النحر ولم يضح حتى مضت أيام النحر ثم أفاته كان عليه أن يتصدق بعينها أو بقيمتها ولا تسقط عنه الأضحية، فلو كانت بالقدرة الميسرة لكان دوامها شرطا كما في الزكاة والعشر والخراج حيث تسقط بهلاك النصاب والخارج واصطلام الزرع آفة .لا يقال :أدنى ما يتمكن به المرء من إقامتها تملك قيمة ما يصلح للأضحية ولم تجب إلا بملك النصاب فدل أن وجوبها بالقدرة الميسرة، لأن اشتراط النصاب لا ينافي وجوبها بالممكنة كما في صدقة الفطر، وهذا لأنها وظيفة مالية نظرا إلى شرطها وهو الحرية فيشترط فيها الغنى كما في صدقة الفطر لا يقال :لو كان كذلك لوجب التمليك وليس كذلك، لأن القرب المالية قد تحصل بالإتلاف كالإعتاق، والمضحي إن تصدق باللحم فقد حصل النوعان :أعني التمليك والإتلاف بإراقة الدم، وإن لم يتصدق حصل الأخير .وأما حكمها فالخروج عن عهدة الواجب في الدنيا والوصول إلى الثواب بفضل الله تعالى في العقبى(العناية شرح الهداية، ج۹ ص۵۰۵، كتاب الأضحية)

[1] فإذا أدى قبل ذلك الوقت كان مؤديا قبل وجود سبب الوجوب فلهذا لا يجوز(المبسوط للسرخسي، ج۳ص۱۳۱، كتاب نوادر الصوم)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

جیسا کہ زکاۃ کا سببِ وجوب "نصاب" ہے، اس لئے نصاب کے بعد حولانِ حول (جو کہ شرطِ وجوب ہے) سے پہلے زکاۃ دینا جائز ہے، اگر چہ اس پر اداء کرنا ابھی واجب نہیں ہے، مگر سببِ وجوب یعنی نصاب سے پہلے زکاۃ جائز و معتبر نہیں، کیونکہ سببِ وجوب نہیں پایا گیا، اور سبب کا مسبب پر تقدم ضروری ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والأداء بعد تقرر سبب الوجوب جائز كالمسافر إذا صام فى رمضان والرجل إذا صلى فى أول الوقت جاز لوجود سبب الوجوب، وإن كان الوجوب متأخرا(المبسوط للسرخسى، ج۲ص۱۷۷، كتاب الزكاة)

الأداء بعد تقرر الوجوب جائز كالمسافر إذا صام رمضان والرجل إذا صلى فى أول الوقت جائز لوجود سبب الوجوب(البناية شرح الهداية،ج۳ص۳۶۵،كتاب الزكاة،حكم تقديم الزكاة على الحول)

قوله (وأفاد صحة الأداء) ؛ لأن الوجوب لما ثبت كان جواز الأداء من ضروراته على ما عليه عامة الفقهاء والمتكلمين فإن الوجوب يفيد جواز الأداء عندهم، لكنه أى لكن السبب أو نفس الوجوب لا يوجب الأداء للحال(كشف الاسرار، ج۱ص۲۱۵، باب تقسيم المامور به فى حكم الوقت، النوع الاول)

نفس الوجوب فى الذمة بوجود السبب ووجوب الأداء بالمطالبة فإذا وجب عليه لا يطالب بالأداء إلا إذا كان قادرا عليه (تبيين الحقائق، ج۱، ص۳۴۰، كتاب الصوم، فصل فى العوارض)

واعلم أن الوقت كما هو شرط لأداء الصلاة فهو سبب لوجوبها فلا تجب بدونه (منية المصلى وغنية المبتدى، ج۱، ص۱۳۷)

[1] ويجوز تعجيل الزكاة قبل الحول إذا ملك نصاباً عندنا؛ لأنه أدى بعد وجود سبب الوجوب؛ لأن سبب الوجوب نصاب نام؛ فإن نظرنا إلى النصاب فالنصاب قد وجد؛ وإن نظرنا إلى النماء فقد وجد أيضاً؛ لأن العبرة لسبب النماء وهو الإسامة أو التجارة لا لنفس النماء، وقد وجد سبب النماء. بخلاف ما إذا عجل قبل كمال النصاب؛ لأنه أدى قبل وجود سبب الوجوب(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲ص۲۶۷، كتاب الزكاة،الفصل السادس فى تعجيل الزكاة)

إن سلمنا أنه لا وجوب قبل الحول لكن سبب الوجوب موجود وهو ملك النصاب ويجوز أداء العبادة قبل الوجوب بعد وجود سبب الوجوب كأداء الكفارة بعد الجرح قبل الموت، وسواء عجل عن نصاب واحد، أو اثنين، أو أكثر من ذلك مما يستفيده فى السنة عند أصحابنا الثلاثة(بدائع الصنائع ،ج۲،ص۵۱،كتاب الزكاة)

حاصله أن هاهنا أمرين، أحدهما نفس الوجوب، وهو كون الشىء واجبا فى الذمة، وكونها غير فارغ عنه إلا بالأداء أو الإبراء ، وثانيهما :وجوب الأداء وسبب نفس الوجوب هو المال النامى بقيوده المذكورة سابقا، فإذا وجد ذلك اشتغلت ذمة المالك بالزكاة ووجبت عليه، ووجوب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

ملحوظ رہے کہ بعض حنفی مشائخ متقدمین نے عبادت کے وجوب کا سبب، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مبذول یا ایجاب قدیم کا ہونا بیان کیا ہے؛ لیکن وقت کو سببِ وجوب ماننے سے اس کا تعارض وانکار لازم نہیں آتا، کیونکہ یہ سببِ وجوب، بندوں کے حق میں ظاہر کے اعتبار سے ہے، جو کہ اللہ کی نعمتوں کے مبذول اور ایجاب قدیم کے قائم مقام ہے۔ [1]

## قربانی کا سببِ وجوب شہر و غیر شہر میں یکساں ہے

قربانی کا سببِ وجوب، ہر جگہ (خواہ شہر ہو یا دیہات) دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے شروع ہوجاتا ہے، اور بارہ ذی الحجہ کے غروب تک جاری وممتد ہوتا ہے۔

اور شہر میں عید کی نماز ہونا ایک اضافی شرطِ اداء ہے (جیسا کہ صاحبِ بدائع کے حوالے سے بتصریح آگے آتا ہے) پس شہر میں عید کی نماز سے پہلے قربانی کا جائز نہ ہونا اس وجہ سے نہیں ہے کہ ابھی تک قربانی کا وقت یا سببِ وجوب شروع نہیں ہوا، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ شہر کے حق میں شریعت کی طرف سے ایک اضافی درجہ کی مقرر کردہ شرطِ ادا نہیں پائی گئی۔

---

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الأداء إنما يتحقق بحولان الحول، فصحة الأداء متفرعة على وجوب ذلک الشيء فی نفسه، فإذا وجد سبب الوجوب صح الأداء ، وإن لم يجب بعد، بخلاف ما لم يكن عنده نصاب مطلقا، فإنها لم تجب حينئذ عليه مطلقا، فلا يصح أداؤها مقدما......

والحاصل أن بتحقق سبب الوجوب يجب الشيء فی الذمة فإذا وجد المال النصاب وجبت فی الذمة، وتعلقت بالزكاة، وأما وجوب الأداء الموقوف على مطالبة الشارع فهو إنما يتعلق بعد حولان الحول (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج۳، ص ۱۸۹، كتاب الزكاة)

[1] واعلم ان ماذكره المصنف من بيان الاسباب طريقة المتأخرين، واما المتقدمون من مشائخنا فقالوا سبب وجوب العبادة نعم الله علينا شكرا لها، وحرر ابن نجيم انهٗ لامخالفة بينهما. فالمتقدمون ارادوا الاسباب الحقيقية والمتأخرون الاسباب الظاهرة (شرح المنار للعلامة الشامی فی اصول الفقه، ص ۱۷۶، قبيل باب بيان اقسام السنة)

وسبب وجوبها فی الظاهر فی حقنا الوقت الذی تنسب وجوبها اليه (أصول البزدوی، ج ۱، ص ۱۴۷، باب بيان اسباب الشرائع)

فنفس الوجوب سببه الحقيقی هو الايجاب القديم ،وسببه الظاهری ، وهو الوقت اقيم مقامه (نورالانوار، ص ۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع )

www.idaraghufran.org

اور بعض اہلِ علم نے شہر کے حق میں جو عید کی نماز کے ہونے کو سببِ وجوب یا اوّلِ وقتِ وجوب سمجھا ہے، یہ تسامح اور غلط فہمی پر مبنی ہے۔ لے

متعدد فقہائے کرام نے اس علمی تسامح اور غلط فہمی پر متنبہ کیا ہے۔ ۲ے

---

لے ثم أول وقت الأضحية عند طلوع الفجر الثانى من يوم النحر إلا أن فى حق أهل الأمصار يشترط تقديم الصلاة على الأضحية .فمن ضحى قبل الصلاة فى المصر لا تجزئه لعدم الشرط لا لعدم الوقت؛ ولهذا جازت التضحية فى القرى بعد انشقاق الفجر ودخول الوقت لا يختلف فى حق أهل الأمصار والقرى إنما يختلفون فى وجوب الصلاة فليس على أهل القرى صلاة العيد، وإنما عرفنا هذا فى حق أهل الأمصار بحديث البراء بن عازب -رضى الله تعالى عنه(المبسوط لشمس الأئمة السرخسى ،ج ۱۲،ص ۱۰،باب الأضحية)

(قوله :فإن أول وقت التضحية بعد الصلاة فى حق المصرى وبعد طلوع فجر يوم النحر فى حق غيره) فيه نظر قال شيخ الإسلام فى مبسوطه أول وقت الأضحية عند طلوع الفجر الثانى من يوم النحر إلا أن فى حق أهل الأمصار يشترط تقديم الصلاة على الأضحية فلا تصح قبلها لعدم الشرط لا لعدم الوقت ولهذا جازت التضحية فى القرى بعد انشقاق الفجر، ودخول الوقت لا يختلف فى حق أهل الأمصار والقرى اهـ.(حاشية الشرنبلالى على درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ۱ ص ۲۶۸، كتاب الأضحية،وقت الأضحية)

وَهَذَا لِأَنَّ الْعِبَادَةَ لَا يَخْتَلِفُ وَقْتُهَا بِالْمِصْرِ وَعَدَمِهِ كَسَائِرِ الْعِبَادَاتِ .أَمَّا شَرْطُهَا يَجُوزُ أَنْ يَخْتَلِفَ، أَلَا تَرَى أَنَّ الظُّهْرَ يَمْنَعُ مِنْ فِعْلِهَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَلَا يَمْنَعُ ذَلِكَ فِي السَّوَادِ كَذَا هَذَا(الاختيار لتعليل المختار،ج۵،ص ۱۹،كِتَابُ الْأُضْحِيَةِ)

۲ے (ووقت الأضحية) لأهل الأمصار والقرى (يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر، إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح) فى اليوم الأول (حتى يصلى الإمام صلاة العيد) أو يخرج وقتها بالزوال، لأنه يشترط فى حقهم تقديم صلاة العيد على الأضحية أو خروج وقتها، فإذا لم يوجد أحدهما لا تجوز الأضحية، لفقد الشرط (فأما أهل السواد) أى القرى (فيذبحون بعد الفجر) لوجود الوقت وعدم اشتراط الصلاة لأنه لا صلاة عليهم، وما عبر به بعضهم -من أن أول وقتها بعد صلاة العيد إن ذبح فى مصر، وبعد طلوع الفجر إن ذبح فى غيره -قال القهستانى :فيه تسامح، إذ التضحية عبادة لا يختص وقتها بالمصر وغيره، بل شرطها، فأول وقتها فى حق المصرى والقروى طلوع الفجر، إلا أنه شرط لأهل المصر تقديم الصلاة عليها، فعدم الجواز لفقد الشرط، لا لعدم الوقت كما فى المبسوط، وإليه أشير فى الهداية وغيرها، اهـ .ثم المعتبر فى ذلك مكان الأضحية، حتى لو كانت فى السواد والمضحى فى المصر تجوز كما انشق الفجر، وفى العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة، هداية(اللباب فى شرح الكتاب،ج ۱،ص ۳۵۰،كتاب الأضحية)

www.idaraghufran.org

علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں ابنِ کمال کے حوالے سے تاجُ الشریعہ کی طرف تسامح وخطاء کو منسوب کیا ہے۔ ؎1

مگر علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے ''فتحُ القدیر'' میں اس کے جواب میں فرمایا کہ تاجُ الشریعہ کے کلام میں تسامح اور خطاء نہیں پائی جاتی، کیونکہ اُن کی اولِ وقت سے اولِ وقتِ اداء مراد ہے، نہ کہ اولِ وقتِ وجوب۔

لہٰذا اولِ وقتِ وجوب ان کے نزدیک بھی شہر وغیر شہر میں طلوعِ فجر یوم النحر ہے، اور شہر میں اولِ وقتِ اداء عید کی نماز کا ہونا ہے۔ ؎2

---

؎1 چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

(قوله وأول وقتها بعد الصلاة إلخ) فيه تسامح إذ التضحية لا يختلف وقتها بالمصرى وغيره بل شرطها، فأول وقتها فى حق المصرى والقروى طلوع الفجر إلا أنه شرط للمصرى تقديم الصلاة عليها فعدم الجواز لفقد الشرط لا لعدم الوقت كما فى المبسوط وأشير إليه فى الهداية وغيرها قهستانى، وكذا ذكر ابن الكمال فى منهيات شرحه أن هذا من المواضع التى أخطأ فيها تاج الشريعة ولم يتنبه له صدر الشريعة(رد المحتار على الدر المختار، ج٦،ص٣١٨، كتاب الأضحية)

؎2 چنانچہ علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

( قوله ووقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر ، إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلى الإمام العيد ) قال صاحب النهاية :وهذه العبارة تشير إلى ما ذكره فى المبسوط بقوله ومن ضحى قبل الصلاة فى المصر لا يجزيه لعدم الشرط لا لعدم الوقت .

أقول :فى هذا إشكال ، لأن الحديثين اللذين ذكرهما المصنف فيما بعد وجعلهما الأصل فى هذه المسألة وكذا سائر الأحاديث الواردة فى بيان وقت جواز التضحية لا يدل شىء منها على دخول وقت الأضحية بطلوع الفجر من يوم النحر فى حق أهل الأمصار ، بل يدل ظاهر كل منها على أن أول وقتها فى حق من عليه الصلاة بعد الصلاة فمن أين أخذ دخولها وقتها بطلوع الفجر من يوم النحر فى حق أهل الأمصار أيضا ، وعلى تقدير أن يتحقق المأخذ لذلك فالإشكال باق ، لأنه إذ لم تتأد الأضحية بالذبح بعد طلوع الفجر من يوم النحر قبل الصلاة فى حق أهل الأمصار بل لم يمكن أداؤها قبل الصلاة فى حقهم لعدم تحقق الشرط فما معنى جعل ذلك الوقت قبل الصلاة من يوم النحر وقتا للأضحية فى حق أهل الأمصار أيضا ، وما ثمرة ذلك ؟ والظاهر أن ثمرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور جب عید کی نماز کا ہونا صرف شہر کے حق میں ایک اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا تعلق فعلِ ذبح سے ہے، اور اصل وقت، یا سببِ وجوب (جو مکلّف کے ذمہ کے مشغول ہونے سے عبارت ہے) اس سے پہلے طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے۔

تو یہ ظاہر ہے کہ اس اضافی شرطِ اداء کا حکم شہر (یا قصبہ جو کہ بحکمِ شہر ہے) کی حدود تک نافذ ہوگا (کیونکہ عید کی نماز کا حکم شہروں میں ہی ہے) شہر سے باہر گاؤں اور جنگلات میں یہ حکم جاری

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كون وقت ما وقت الواجب صحة أداء ذلك الواجب في ذلك الوقت ولا أقل من إمكان أدائه فيه فتأمل .

ثم إن صاحب الوقاية قال في تحرير هذه المسألة :وأول وقتها بعد الصلاة إن ذبح في مصر، وبعد طلوع فجر يوم النحر إن ذبح في غيره ، وآخره قبيل غروب اليوم الثالث انتهى .

ورد عليه صاحب الإصلاح والإيضاح حيث قال في متنه :وأول وقتها بعد طلوع فجر يوم النحر ، وآخره قبيل غروب اليوم الثالث ، وشرط تقديم الصلاة عليها إن ذبح في مصر ، وإن ذبح في غيره لا .وقال فيما نقل عنه في الحاشية :هذا من المواضع التي أخطأ فيها تاج الشريعة حيث زعم أن أول وقتها يختلف بحسب مكان الفعل ولم يتنبه له تاج الشريعة .انتهى كلامه .

أقول :لا خطأ في كلام تاج الشريعة أصلا ، فإن مراده بقوله وأول وقتها أول وقت أدائها لا أول وقت وجوبها ، ولا شك أنه إذا كان تقديم الصلاة عليه شرطا في حق أهل الأمصار كان أول وقت أدائها في حقهم بعد الصلاة ، وإن كان أول وقت وجوبها بعد طلوع الفجر من يوم النحر ويؤيده جدا عبارة الإمام قاضي خان في فتاواه حيث قال : ووقت الأداء لمن كان في المصر بعد فراغ الإمام عن صلاة العيد انتهى (فتح القدير، ج۹ص ۵۱۱، ۵۱۲، كتاب الأضحية)

علامہ ابنِ ہمام رحمہ اللہ نے جواہلِ امصار کے حق میں طلوعِ فجرِ یوم النحر کے ماخذ نہ ہونے کا اشکال کیا ہے، اس کے جواب میں عرض ہے کہ اس کا ماخذ وہ احادیث وآثار ہیں، جن میں دس ذی الحجہ کو یوم النحر یا یوم الاضحیٰ قرار دیا گیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ شرعاً یوم کا آغاز طلوعِ فجر پر ہوجاتا ہے، پس یوم النحر یا یوم الاضحیٰ کے الفاظ یوم کے اطلاق کے ساتھ طلوعِ فجر کو بھی مستلزم ہوئے۔

البتہ شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا دیگر احادیث سے پتہ چلا۔

اور اگر شہر میں عید کی نماز سے پہلے عدمِ جواز کی یہ احادیث نہ ہوتیں (جن سے اضافی شرطِ اداء ثابت ہوئی) تو یوم النحر یا یوم الاضحیٰ اپنے اطلاق کے ساتھ شہر وقریہ اور جنگل سب مقامات کے لئے طلوعِ فجر کے بعد جوازِ اداء کو مستلزم ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

نہ ہوگا (کیونکہ گاؤں اور جنگل میں عید کی نماز کا حکم نہیں ہے)

اب اگر مضحی (یعنی قربانی کے مالک) اور اضحیۃ (یعنی قربانی کے جانور) کا مقام شہر اور گاؤں کے اعتبار سے مختلف ہو، مضحی (یعنی قربانی کا مالک) شہر میں ہو، اور اُس کا اضحیۃ (یعنی قربانی کا جانور) گاؤں یا جنگل میں ہو۔

یا مضحی (یعنی قربانی کا مالک) گاؤں یا جنگل میں ہو، اور اس کا اضحیۃ (یعنی قربانی کا جانور) شہر میں ہو، تو مفتیٰ بہٖ قول کے مطابق، قربانی کی اضافی شرطِ اداء کے لحاظ سے اعتبار اضحیۃ (یعنی قربانی کے جانور) کے مقام کا ہوگا، نہ کہ مضحی (یعنی قربانی کے مالک) کے مقام کا۔

پس اگر اضحیۃ شہر میں اور مضحی گاؤں میں ہے تو عید کی نماز سے پہلے اس کی قربانی جائز نہ ہوگی، اور اگر اضحیۃ گاؤں میں اور مضحی شہر میں ہے تو اس کی قربانی طلوعِ فجر کے بعد جائز ہوگی۔

کیونکہ طلوعِ فجر کے بعد نفسِ وجوب شروع ہوجاتا، اور مضحی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوجاتا ہے، اور عید کی نماز ہونے کی شرط اضافی وجزئی شرطِ اداء ہے، جس کا محل، اضحیۃ (یعنی جانور) ہے، اور یہ شرط صرف شہر کی حدود میں جاری ہوتی ہے۔

لہٰذا اضافی شرطِ اداء ہونے کی وجہ سے اس میں محلِ اضحیۃ یا مکانِ اضحیۃ کا لحاظ ہوگا، نہ کہ مکانِ مضحی کا۔ [1]

---

[1] (قوله والمعتبر مكان الأضحية إلخ) فلو كانت فى السواد والمضحى فى المصر جازت قبل الصلاة، وفي العكس لم تجز قهستاني (قوله أن يخرجها) أى يأمر بإخراجها (قوله لخارج المصر) أى إلى ما يباح فيه القصر قهستاني وزيلعي (رد المحتار على الدر المختار، ج٦، ص ٣١٩، كتاب الأضحية)

قال القدورى: لو أن رجلاً من أهل السواد دخل المصر لصلاة الأضحى، وأمر أهله أن يضحوا عنه؛ جاز أن يذبحوا عنه بعد طلوع الفجر؛ قال محمد رحمه الله: أنظر فى هذا إلى موضع الذبح دون المذبوح عنه، ولو كان الرجل بالسواد، وأهله بالمصر لم يجز ذبح الأضحية عنه إلا بعد صلاة الإمام، وهكذا روى عن أبى يوسف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہ بات اپنے مقام پر طے ہوچکی ہے کہ قربانی کا وقت نماز کے اوقات کی طرح سببِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروى فيها أيضاً :أن الرجل إذا كان فى مصر، وأهله فى مصر آخر، فكتب إليهم أن يضحوا عنه، فإنه يعتبر مكان الذبيحة، فينبغى أن يضحوا بعد صلاة الإمام فى المصر الذى يذبح فيه، وروى عن أبى الحسن أنه قال :لا تجوز التضحية حتى يصلى فى المصرين جميعاً احتياطاً، وإذا أراد المصرى أن يتعجل اللحم فى يوم الأضحى ينبغى أن يأمر بإخراج الأضحية إلى بعض هذه ....فيصح هناك قبل الصلاة، فيجوز اعتباراً لمكان الأضحية(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،ج٦،ص ٩١،كتاب الأضحية،الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان)

وإن كان الرجل فى مصر وأهله فى مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبى يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة فقال :ينبغى لهم أن لا يضحوا عنه حتى يصلى الإمام الذى فيه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن يصلى لم يجزه، وهو قول محمد -عليه الرحمة ........... لأبى يوسف ومحمد رحمهما الله أن القربة فى الذبح، والقربات المؤقتة يعتبر وقتها فى حق فاعلها لا فى حق المفعول عنه، ويجوز الذبح فى أيام النحر نهرها ولياليها؛ وهما ليلتان :ليلة اليوم الثانى وهى ليلة الحادى عشر، وليلة اليوم الثالث وهى ليلة الثانى عشر، ولا يدخل فيها ليلة الأضحى وهى ليلة العاشر من ذى الحجة (بدائع الصنائع، ج٥، ص٧٤، و٧٥، كتاب التضحية، فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية)

رواه القدورى عن محمد، والمعتبر مكان الأضحية لإمكان المالك كما فى الزكاة .وعن الحسن أنه اعتبر مكان المالك كصدقة الفطر، فلو كان بالمصر وأهله بالسواد جاز أن يضحوا عنه قبل الصلاة وبالعكس لا، وعند الحسن خلاف ذلك(الاختيار لتعليل المختار،ج٥،ص٢٠،كتاب الأضحية)

وحيلة المصرى إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فيضحى بها كما طلع الفجر، لأنها تشبه الزكاة من حيث إنها تسقط بهلاك المال قبل مضى أيام النحر كالزكاة بهلاك النصاب فيعتبر فى الصرف مكان المحل لا مكان الفاعل اعتبارا بها، بخلاف صدقة الفطر (فتح القدير، ج٩،ص ٥١٢،كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فى حق المصرى بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحى وسببها طلوع فجر يوم النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحه وسيأتى الكلام فى صفتها (تكملة البحر الرائق للطورى، ج٨، ص١٩٧، كتاب الأضحية)

والمعتبر فى ذلك مكان الأضحية حتى لو كانت فى السواد، والمضحى فى المصر يجوز كما انشق الفجر، وفى العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة وحيلة المصرى إذا أراد التعجيل أن يبعث بها إلى خارج المصر فى موضع للمسافر أن يقصر فيضحى فيه كما طلع الفجر لأن وقتها من طلوع الفجر، وإنما أخرت فى حق المصر لما ذكرنا ولأنها تشبه الزكاة فيعتبر فى الأداء مكان المحل وهو المال لا مكان الفاعل بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر فيها مكان الفاعل لأنها تتعلق بالذمة والمال ليس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

وجوب اور شرطِ اداء ہے۔

یہاں تک کہ ایک مقام پر علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

بِخِلَافِ الْأُضْحِيَّةِ فَالظَّاهِرُ أَنَّهَا كَأَوْقَاتِ الصَّلَوَاتِ يَلْزَمُ كُلَّ قَوْمٍ الْعَمَلُ بِمَا عِنْدَهُمْ فَتُجْزِءُ الْأُضْحِيَّةُ فِي الْيَوْمِ الثَّالِثِ عَشَرَ .[1] وَإِنْ كَانَ عَلٰى رُؤْيَا غَيْرِهِمْ هُوَ الرَّابِعَ عَشَرَ (ردالمحتار، ج۳، ص ۳۶۴، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان، مطبوعة: دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع، الرياض، السعودية، طبعة خاصة 2003ء)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بمحل لها(تكملة البحر الرائق للطورى، ج۸، ص ۲۰۰، كتاب الأضحية)

"وَأَمَّا شَرَائِطُ أَدَائِهَا" اور"فَيُعْتَبَرُ فِي الْأَدَاءِ مَكَانُ الْمَحَلِّ" سے معلوم ہوا کہ مکانِ اضحیۃ کا اعتبار شرطِ اداء کے اعتبار سے ہے، اور وقت کو شرطِ اداء بیان کرنے کے بعد "وسببها طلوع فجر يوم النحر" عبارت سے معلوم ہوا کہ سببِ وجوب، اداء سے الگ چیز ہے، جو بہر حال طلوعِ فجر یوم النحر پر شروع ہوجاتا ہے، اور اداء سببِ وجوب سے مؤخر ہوتی ہے، نیز مکانِ اضحیۃ کے معتبر ہونے کی نظیر زکاۃ بیان کی گئی ہے، جس کے صَرف وبذل میں مکانِ محل یعنی مال کا اعتبار کیا گیا ہے، یہ بھی اداء ہی ہے، برخلاف سببِ وجوب کے، کہ اگر مزکی صاحبِ نصاب نہیں (اور نصاب زکاۃ کا سبب ہے) تو زکاۃ کی ادائیگی یہاں بھی قربانی کی طرح درست نہ ہوگی۔

مگر تعجب ہے کہ اس دور کے بعض اہلِ علم نے صرف محلِ اضحیۃ یا مکانِ اضحیۃ کے معتبر ہونے کی مذکورہ عبارات پر نظر مرکوز کرکے شرطِ اداء اور سببِ وجوب کے فرق اور فقہائے اصولیین کے پیش کردہ اصولوں کو نظر انداز کردیا، اور بہر صورت خواہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب بھی نہ پایا جارہا ہو، مقامِ اضحیۃ کا اعتبار کرتے ہوئے قربانی کو جائز قرار دے دیا۔

جبکہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوئے بغیر قربانی کی ادائیگی درست ہونے کی کوئی بھی مستند و معتبر دلیل نہیں، اور فقہائے کرام نے مصر وقریہ کے مذکورہ مسئلہ کے ضمن میں بھی طلوعِ فجر کے بعد عید کی نماز ہونے نہ ہونے کی شرط تک اپنی بحث کو محدود رکھا، کسی نے بھی طلوعِ فجر سے قبل کی صورت میں قربانی کو جائز ودرست قرار نہیں دیا، اور بعض حضرات کی طرف سے مضحی کے حق میں سببِ وجوب کے تحقق سے پہلے، قربانی کے درست ہونے پر جو دور دراز کی تاویلات وقیاسات کرکے طویل بحثیں سامنے آئی ہیں، وہ غور کرنے سے مستند اور راجح معلوم نہ ہوسکیں۔ محمد رضوان۔

[1] فی ط:(قوله الثالث عشر) صوابه: الثانی عشر، وقوله "هو الرابع عشر" صوابه "الثالث عشر" لأن اليوم الثالث عشر من ذی الحجه هو اليوم الرابع من عيد الأضحى، والأضحية فی ذلك اليوم لاتصح عندنا، ولعل جناب سيدى الوالد المؤلف أراد أن يكتب فی اليوم الثالث فسها قلمه، فكتب الثالث عشر (حاشية ردالمحتار، مطبوعة: دار عالم الكتب للطباعة والنشر والتوزيع، الرياض، السعودية، طبعة خاصة 2003ء، دراسة وتحقيق وتعليق: الشيخ عادل احمد عبدالموجود - الشيخ على محمد معوض)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: بخلاف اضحیۃ کے کہ اُس کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ وہ نماز کے اوقات کی طرح ہے، ہر قوم کو اپنے وقت کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ پس قربانی بارہویں ذوالحجہ کو بھی جائز ہے، اگرچہ دوسروں کی رؤیت کے مطابق وہ تیرہواں دن ہو (ردالمحتار)

لہٰذا اگر قربانی کرنے والے کے حق میں وقتِ اضحیۃ شروع نہیں ہوا، بالفاظِ دیگر مکلّف کے ذمہ سببِ وجوب کا تحقق و وجود نہیں ہوا، تو اس کی قربانی کو صرف دوسرے لوگوں کے اوقات کا اعتبار کرتے ہوئے (خواہ وہ دوسرا، اس کا وکیل ہی کیوں نہ ہو) کیسے درست قرار دیا جاسکتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب وقت ہے، جس کا آغاز شہر و غیر شہر (دیہات وجنگل) میں سب جگہ طلوعِ فجر یوم النحر پر ہوجاتا ہے، اور عید کی نماز کا ہونا صرف شہر کے حق میں اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا تعلق جانور کے ذبح سے ہے۔
لہٰذا جو حضرات قربانی کے نفسِ وجوب، اور شرطِ اداء میں فرق نہیں کررہے، یا قربانی کے لئے وقت کے نفسِ وجوب کا سبب ہونے کا انکار کررہے ہیں، یا قربانی کے وقت کو دیگر عبادات، مثلاً حج وغیرہ پر قیاس کررہے ہیں، یہ درست نہیں۔ [1]

---

[1] جیسا کہ مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) فرماتے ہیں کہ:
وقت خاص للعبادات ہی کو اگر نفس وجوب (ذمہ کے مشغول بالواجب ہونے) کا ذریعہ مانا جائے تو اس سے شرعی وفقہی مسلمہ اور اصل الاصول کی مخالفت ہوگی وہ ہے "القربات الموقتة يعتبر وقتها في حق فاعلها لا في حق المفعول عنه" اور یہ متفق علیہ ضابطہ ہے۔ چنانچہ حج عن الغیر میں دیکھئے ارکان وواجبات کی ادائیگی میں وقت کی رعایت فاعل یعنی حاج عن الغیر کے حق میں ضروری ہے نہ کہ محجوج عنہ کے اعتبار سے اور حج عن الغیر کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جاری وساری ہے۔ ہر سال ایک معتد بہ مقدار اُن حاجیوں کی بھی ہوتی ہے جو کسی صاحب استطاعت معذور کی طرف سے حج فرض اداء کرنے کیلئے بھیجے جاتے ہیں۔ وقوفِ عرفہ (مع دیگر فرائض حج کی ادائیگی) کے لئے وقت کا لحاظ حجاج کے حق میں ہے۔ حالانکہ جن کی طرف سے حج بدل کیا جارہا ہے ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو دنیا کے مختلف ایسے خطوں میں ہوتے ہیں جہاں یا تو یوم عرفہ نہیں ہے یا وقت وقوف عرفہ نہیں ہوا ہے یا پھر وقوف کا اصل وقت گذر چکا ہے۔ کیونکہ ذمہ کا مشغول بالحج ہونا استطاعت پر موقوف ہے اور استطاعت سے محجوج عنہ متصف ہے لہٰذا نفس

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

# وقت کا کون سا حصہ سببِ وجوب ہے؟

## یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عباداتِ مؤقتہ میں (جبکہ وقت عبادت کے لئے ظرف ہو، نہ کہ معیار، جیسا کہ نماز اور قربانی کی عبادت) وقت کا کون سا حصہ سببِ وجوب ہے؟

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وجوب قائم ہے۔ رہا بیت اللہ کو سبب وجوب قرار دینا سو یہ وجوبِ اداء کے تو حدوعدم تکرار کی معرفت کے لئے مقرر کیا گیا ہے جو کہ سبب ظاہر ہے (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص ۴۸)

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ فاعل کے حق میں وقت کا معتبر ہونا اس وقت ہے، جبکہ مفعول عنہ کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہو چکا ہو، اور نماز وقربانی میں وقت سببِ وجوب اور شرطِ اداء وجواز ہے، لہٰذا یہاں سببِ وجوب کے بعد ہی اداء کا اعتبار ہوگا، اور یہ اصول خود ان فقہائے کرام کا بیان کردہ ہے، جو قرباتِ مؤقتہ میں فاعل کے حق میں وقت کا اعتبار کر رہے ہیں، لہٰذا فقہائے کرام اس اصول کی کیسے مخالفت کر سکتے ہیں۔

اور جن قربات میں وقت سببِ وجوب نہ ہو، اگرچہ شرطِ ادا ہو، وہاں مفعول عنہ کے وقت کا اعتبار ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ صرف فاعل کے حق میں وقت کا ہونا کافی ہے، کیونکہ اداء کا تعلق فعل سے ہوتا ہے، جس کا صدور فاعل سے ہوتا ہے، نہ کہ مفعول عنہ سے، اور حج کے باب میں صورتِ حال یہی ہے، کہ اس قربت میں وقت شرطِ اداء تو ہے، مگر سببِ وجوب نہیں، کیونکہ حج کا، سببِ وجوب، بیت اللہ ہے، اور نماز وقربانی میں وقت، سبب اور شرطیت دونوں کا حامل ہے، ''فلاجرم ان لایجوز التقدیم علی الوقت''

چنانچہ نور الانوار میں ہے کہ:

ولا یصح الاداء قبل دخول الوقت ویفوت بفوته ، فیکون شرطا ، ویختلف الاداء باختلاف صفة الوقت صفة وکراهة ، فیکون سببا للوجوب ،وتقدیم المشروع علی الشرط جائز اذا کان الشرط شرطا للوجوب، کما فی حولان الحول للزکاة ، واما اذا کان الشرط شرطا للجواز لایصح التقدیم علیه کسائر شرائط الصلاة ،وتقدیم المسبب علی السبب لایجوز اصلا وههنا لما اجتمعت الشرطیة والسببیة فلاجرم ان لایجوز التقدیم علی الوقت ،ثم ههنا شیئان نفس الجوب ووجوب الاداء،فنفس الوجوب سببه الحقیقی هو الایجاب القدیم ،وسببه الظاهری ، وهو الوقت اقیم مقامه ، ووجوب الاداء سببه الحقیقی تعلق الطلب بالفعل ،وسببة الظاهری وهو الامر اقیم مقامه (نورالانوار،ص۵۷، مبحث الامر ،کون الامر المقید اربعة انواع )

اوربدائع الصنائع میں ہے کہ:

فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ مِنَ الْيَوْمِ الْأَوَّلِ فَقَدْ دَخَلَ وَقْتُ الْوُجُوبِ فَتَجِبُ عِنْدَ اسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ، ثُمَّ لِجَوَازِ الْأَدَاءِ بَعْدَ ذَلِكَ شَرَائِطُ أُخَرُ نَذْكُرُهَا فِي مَوْضِعِهَا إنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى فَإِنْ وُجِدَتْ يَجُوزُ وَإِلَّا فَلَا، كَمَا تَجِبُ الصَّلَاةُ بِدُخُولِ وَقْتِهَا ثُمَّ إنْ وُجِدَتْ شَرَائِطُ جَوَازِ أَدَائِهَا جَازَتْ وَإِلَّا فَلَا (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ج ۵، ص ۶۵، کتاب التضحیة،فصل فی وقت وجوب الأضحیة، دارالکتب العلمیة، بیروت )

تو فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق اس سلسلہ میں راجح یہ ہے کہ وقت کا جزوِ اول، سببِ وجوب ہے، اگر اس کے ساتھ ادا مقارِن و متصل ہو جائے۔ [1]

ورنہ یہ سبب آگے کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے، پھر وقت کے اندر جب بھی اس کے ساتھ ادا مقارِن و متصل ہوتی ہے، تو وہی ادا سے متصل وقت، سببِ وجوب کہلاتا ہے، اور اگر اس کے ساتھ اداء مقارِن و متصل نہ ہو، تو یہ سببِ وجوب آخر وقت تک ممتد ہوتا ہے، اور پھر آخر وقت ہی سببِ وجوب کہلاتا ہے۔ [2]

---

[1] اور یہ سببِ وجوب بہت تھوڑا بھی ہوسکتا ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے نماز کا وقت شروع ہوتے ہی تحریمہ کہہ کر نیت باندھی، تو عین تحریمہ سے متصل جزءِ لایتجزأ وقت ہی سببِ وجوب بن جائے گا۔

ان الاصل ان کل مسبب متصل بسببه ،فان اديت الصلاة فی اول الوقت يكون الجزء السابق على التحريمة ، وهو الجزء الذی لايتجزأ سببا لوجوب الصلاة(نورالانوار،ص۵۷، مبحث الامر ،كون الامر المقيد اربعة انواع )

وأقل ما يصلح لذلک الجزء الذی لا يتجزأ، والجزء السابق لعدم ما يزاحمه أولى(مجمع الانهر، ج ا ص ۷۳، كتاب الصلاة، الاوقات المنهی عن الصلاة فيها)

فإذا أدركت من آخر الوقت قدر التحريمة وجب القضاء وإن لم تتمكن من الغسل(ردالمحتار، ج ا ص ۲۹۷، كتاب الطهارة، باب الحيض)

(قوله :هو الجزء الأخير) وهو ما يتمكن فيه من عقد التحريمة فقط عندنا......(قوله :أفاقا) أی فی آخر الوقت ولو بقدر ما يسع التحريمة عند علمائنا .الثلاثة، خلافا لزفر (ردالمحتار، ج ا ص ۳۵۶، كتاب الصلاة)

اس سے بعض حضرات کے اس شبہ کا جواب بھی ہوگیا کہ:

> اگر کسی غنی مقیم نے دیہات میں صبح يوم النحر ہوتے ہی بلا تاخیر جانور ذبح کیا، اور یہ قربانی بالاتفاق صحیح ہے، تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وقت سے پہلے اس کا ذمہ مشغول بالواجب رہا ہو، کیونکہ وجوبِ اداء جو وقت ہی میں کتابِ الٰہی سے ہوتا ہے، اس سے پہلے نفسِ وجوب کا ہونا لازم ہے، اور اصل وجوب منفک اور مقدم ہوتا ہے، وجوبِ اداء سے، ''فثبت ان اصل الوجوب قد وجد بالغناء قبل صبح يوم النحر ''
>
> (ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' اکتوبر، نومبر 2008ء، صفحہ ۱۷)

جواب کا حاصل یہ ہے کہ ذبح سے متصل جو وقت لایتجزیٰ کے درجہ میں ہے، وہی سببِ وجوب ہے، اس لئے نفسِ وجوب کے طلوعِ فجر يوم النحر سے قبل ثابت ہونے کا اشکال درست نہیں۔

[2] ثم عامة مشايخنا على أن السبب هو الجزء الأول إن اتصل به الأداء وإن لم يتصل به انتقلت كذلک إلى ما يتصل به وإلا فالسبب الجزء الأخير وبعد خروجه يضاف إلى جملته وتمامه فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس قربانی کے وقت کے نماز کے وقت کی طرح سببِ وجوب اور شرطِ اداء ہونے کی وجہ سے،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

كتابنا المسمى بلب الأصول(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ص ٢٥٧، كتاب الصلاة، أوقات الصلاة)

سَبَبَ الْوُجُوبِ آخِرُ الْوَقْتِ إنْ لَمْ يُؤَدَّ قَبْلَهُ وَإِلَّا فَالْجُزْءُ الْمُتَّصِلُ بِالْأَدَاءِ وَإِلَّا فَجَمِيعُ الْوَقْتِ (البحر الرائق، ج ١، ص ٢٦٤، كتاب الصلاة)

لأن سبب الوجوب الجزء القائم من الوقت أى الذى يليه الشروع؛ إذ لا يمكن أن يكون كل الوقت سببا؛ لأنه لو كان كله سببا لوقع الأداء بعده لوجوب تقدم السبب بجميع أجزائه على المسبب فلا يكون أداء ولا دليل يدل على قدر معين منه فوجب أن يجعل بعض منه سببا، وأقل ما يصلح لذلك الجزء الذى لا يتجزأ، والجزء السابق لعدم ما يزاحمه أولى فإن اتصل به الأداء تعين لحصول المقصود، وهو الأداء وإن لم يتصل به ينتقل إلى الجزء الذى يليه ثم وثم إلى أن يتضيق الوقت، ولم يتقرر على الجزء الماضى؛ لأنه لو تقرر عليه كانت الصلاة فى آخر الوقت قضاء وليس كذلك فكان الجزء الذى يليه الأداء هو السبب أو الجزء المضيق، أو كل الوقت إن لم يقع الأداء فى جزء منه؛ لأن الانتقال من الكل إلى الجزء كان لضرورة وقوع الأداء خارج الوقت على تقدير سببية الكل وقد زالت فيعود كل الوقت سببا (مجمع الانهر، ج ١ ص ٧٣، كتاب الصلاة، الاوقات المنهى عن الصلاة فيها)

والأصل فى أنواع القسم الأول من المؤقتة أن الوقت لما جعل سببا لوجوبها وظرفا لأدائها لم يستقم أن يكون كل الوقت سببا لان ذلك يوجب تأخير الاداء عن وقته أو تقديمه على سببه فوجب أن يجعل بعضه سببا وهو ما يسبق الاداء حتى يقع الاداء بعد سببه وليس بعد الكل جزء مقدر فوجب الاقتصار على الادنى......وإذا انتهى إلى اخر الوقت حتى تعين الاداء لازما ما استقرت السببية لما يلى الشروع فى الاداء (أصول البزدوى -كنز الوصول الى معرفة الأصول، ج ١ ص ٤٢)

وإنما يتعين الوجوب بالشروع إن شرع فيها، وإن لم يشرع إلى آخر الوقت تعين آخر الوقت للوجوب وهو الصحيح من الأقاويل على ما عرف فى أصول الفقه(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج٥، ص ٩٤، كتاب النذر)

اذا حاضت المرأةُ فى آخرِ وقتِ الصلاةِ وأدركت أوّلها وأوسطها طاهرةً سقطت عنه تلك الصلاة، ولم يجب قضاؤها، وإذا طهرت فى آخرِ الوقتِ بعد ما كانت حائضاً قبله وجبتُ عليه تلك الصلاة، فإن لم تؤدّها فى وقتها يجب قضاؤها وذلك لما حقَّق فى كتبِ الأصولِ أنّ سببَ الوجوبِ عندنا هو الجزءُ المقارنُ للصلاة، ولا يزالُ تنتقلُ السببيّة، وتمتدُ إلى آخرِ الوقت، لكونِ الوجوبِ موسعاً، فإذا بلغَ الآخرُ تعيَّن ذلك الجزءُ للوجوب، فوجب اعتباره(عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج ٢ ص : ١٣٣، باب التَّيمُّم)

وقوله: (؛ لأن السبب هو الجزء القائم من الوقت) وقد تقدم أن سبب الصلاة أوقاتها لكن لا يمكن أن يكون كل الوقت سببا؛ لأنه لو كان كله سببا لوقع الأداء بعده لوجوب تقدم السبب بجميع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

طلوعِ فجر یوم النحر کے بعد جب بھی شرائطِ اداء کو ملحوظ رکھ کر قربانی کی جائے گی، خواہ اصالتاً ہو یا وکالتاً، تو ذبح کے عمل سے مقدم و متصل وقت سببِ وجوب کہلائے گا، اور اگر آخری وقت ہوگیا، اور قربانی کی ادائیگی نہیں پائی گئی، تو یہ آخری وقت ہی سببِ وجوب کہلائے گا۔

اور اسی وجہ سے اگر کوئی قربانی کے آخری وقت میں (بارہ ذی الحجہ کا غروب ہونے سے قبل) قربانی کے وجوب کا اہل بن جائے، یعنی اس میں قربانی واجب ہونے کی شرائط پائی جائیں، تو اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے، مثلاً فقیر، غنی ہوجائے۔

جیسا کہ نماز کے سلسلہ میں آخری وقت میں حائضہ کے طاہر ہونے کا معاملہ ہے۔

پس اس سلسلہ میں نماز اور قربانی میں وقت کے سببِ وجوب ہونے کی حیثیت یکساں ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أجزائه على المسبب فلا يكون أداء، وليس دليل يدل على قدر معين منه كالربع والخمس أو غيرهما فوجب أن يجعل بعض منه سببا، وأقل ما يصلح لذلك الجزء الذى لا يتجزأ والجزء السابق لعدم ما يزاحمه أولى، فإن اتصل به الأداء تعين الحصول المقصود وهو الأداء، وإن لم يتصل ينتقل إلى الجزء الذى يليه ثم وثم إلى أن يضيق الوقت ولم يتقرر على الجزء الماضى؛ لأنه لو تقرر كانت الصلاة فى آخر الوقت قضاء وليس كذلك لما سنذكر، فكان الجزء الذى يلى الأداء هو السبب أو الجزء المضيق أو كل الوقت إن لم يقع الأداء فيه؛ لأن الانتقال من الكل إلى الجزء كان لضرورة وقوع الأداء خارج الوقت على تقدير سببية الكل وقد زالت فيعود كل الوقت سببا، ثم الجزء الذى يتعين سببا تعتبر صفته من الصحة والفساد(العناية شرح الهداية، ج ا، ص ۲۳۴، ۲۳۵، كتاب الصلاة، باب المواقيت، فَصْلٌ فِي الْأَوْقَاتِ الَّتِي تُكْرَهُ فِيهَا الصَّلَاةُ)

لايقال ان السببية صفة وانتقال الصفة محال لانا نقول ان المراد بالانتقال السببية ههنا بثبوت السببية فى محل بعد ثبوتها فى محل آخر ، وهذا ليس بانتقال حقيقة الا انه لشبهه به يسمى انتقالا مجازا (حاشية نورالانوار ص ۵۶، مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع )

[1] والأصل أن ما وجب كذلك يتعين الجزء الذى أدى فيه للوجوب أو آخر الوقت كما فى الصلاة وهو الصحيح وعليه يتخرج ما إذا صار أهلا للوجوب فى آخره، بأن أسلم أو أعتق أو أيسر أو أقام تلزمه، لا إن ارتد أو أعسر أو سافر فى آخره، ولو أعسر بعد خروج صار قيمة شاة صالحة للأضحية دينا فى ذمته، ولو مات الموسر فى أيامها سقطت، وفى الحقيقة لم تجب (ردالمحتار، ج۶، ص ۳۱۶، كتاب الأضحية)

ووجه ذلك ما تقرر فى علم الأصول من أن وجوب الأداء فى المؤقتات التى يفضل الوقت عن أدائها كالصلاة ونحوها إنما يثبت آخر الوقت، إذ هنا يتوجه الخطاب حقيقة لأنه فى ذلك الآن يأثم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اس باب کی اب تک کی مذکورہ تفصیل سے قربانی کے لئے نفسِ وجوب کا سبب ہونا مع مالہٗ وما علیہا کے معلوم ہو چکا، جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

لیکن موجودہ دور کے بعض حضرات قربانی کے لئے وقت کے سببِ وجوب ہونے کا انکار کرتے ہیں، اور وہ اس سلسلہ میں کچھ ایسے استشہادات پیش کرتے ہیں جو مسئلہ ہٰذا میں راجح معلوم نہیں ہو سکے، چنانچہ یہ حضرات اہلِ بلغار کے مسئلہ کو استشہاد میں پیش کرتے ہیں کہ فقہائے کرام نے سببِ وجوب کے بغیر بھی نماز کا حکم فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نفسِ وجوب کا سبب نہیں ہے، ورنہ اہلِ بلغار نماز کے مکلّف نہ ہوتے۔[1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالترک لا قبله، حتى إذا مات في الوقت لا شيء عليه. والأضحية من هاتيک المؤقتات فتسقط بهلاک المال قبل مضي وقتها، ولا تسقط بهلاكه بعد مضي وقتها لتقرر سبب وجوب أدائها إذ ذاک، بل يلزم قضاؤها بالتصدق بعينها أو بقيمتها، بخلاف الزكاة فإنها من الواجبات المطلقة دون المؤقتة كما نص عليه في علم الأصول (فتح القدير، ج ۹، ص ۵۰۸، کتاب الأضحية)

[1] چنانچہ مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) لکھتے ہیں کہ:

وقت پر نفسِ وجوب کا مدار نہیں ہے، کیونکہ وقت کی تخصیص وتحدید ادا کے لئے کی گئی ہے، نہ کہ نفسِ وجوب کے لئے (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، جنوری 2007ء، ص ۸)

وقت سے اداء کا تعلق ہے، نفسِ وجوب کا نہیں (ایضاً ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہوتی کہ وقت نفسِ وجوب کا سبب ہے، جیسا کہ اس وقت سمجھا جا رہا ہے، تو بندہ پورے یقین کے ساتھ عرض کرتا ہے کہ ماضی کے فقہاء ضرور ذکر فرماتے، اتنی اہم اور بنیادی چیز کو ہرگز نہ ترک فرماتے (ایضاً ص ۱۹)

لامحالہ وقت، نفسِ وجوب کا سبب نہیں ہے، لہٰذا وقت کو نفسِ وجوب کا سبب مان کر اس پر حکم (فتویٰ) کی بناء رکھنا صحیح نہیں ہے۔

وقت اگر نفسِ وجوب کا سبب ہوتا، تو اہلِ بلغار یہ جیسے لوگوں کے حق میں وقت قطعاً نہیں ملتا ہے، فقہائے کرام کا نہ اختلاف ہوتا، اور نہ ہی قضائے عشاء کے وہ قائل ہوتے، حالانکہ صحیح وراجح اور مفتیٰ بہٖ قول کے مطابق عشاء کی قضا واجب ہے۔

معلوم ہوا کہ وہ عشاء بلکہ وتر کے بھی مکلّف ہیں ''وفاقد وقتيهما مكلف بهما (درمختار)'' تو باوجود وقت مخصوص، یعنی سببِ وجوب نہ پائے جانے کے نماز کا مکلّف ہونا دلیل ہے کہ وقت پر نفسِ وجوب کا مدار نہیں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حالانکہ نماز وقربانی کے لئے وقت کے سببِ وجوب ہونے اور سببِ وجوب سے مرادنفسِ وجوب کا سبب ہونے کی تصریحات فقہائے کرام کے حوالہ سے پہلے گزر چکی ہیں، اوراسلام اورحریت اورملکیتِ نصاب کے شرطِ وجوب ہونے کی تصریحات آگے آتی ہیں۔

جہاں تک اہلِ بلغار کے وقتِ عشاء نہ پانے کا تعلق ہے، تو فقہائے کرام نے اس پرطویل بحث کی ہے، بعض فقہائے کرام تو ان کے حق میں عشاء کی نماز کے سرے سے فرض ہونے کے قائل ہی نہیں، اور اُن کی دلیل یہی ہے کہ جب سببِ وجوب، جو کہ وقت ہے، نہیں پایا گیا، تو ان پرعشاء کی نماز فرض نہیں ہوگی۔

لیکن دیگر فقہائے کرام عشاء کی نماز کے فرض ہونے کے قائل ہیں، اور سببِ وجوب کے بارے میں انہوں نے مختلف جوابات دیئے ہیں، مثلاً یہ کہ سببِ وجوب کا تقدیری طور پر پایا جانا بھی کافی ہے، یا یہ کہ نفس الامر میں علی العموم پانچ نمازیں فرض ہیں، اور جس کے حق میں سببِ وجوب مفقود ہو، تو نفس الامر میں وجوب کی دلیل کا ہونا بھی کافی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاً تو سببِ وجوب کی اہمیت مسلم ہے، اسی لئے دوسرے حضرات تقدیراً وجوب مان رہے ہیں۔

دوسرے یہ سب بحث ان لوگوں کے حق میں ہے، جن کو سرے سے ظاہر میں نفسِ وجوب کا سبب ہاتھ ہی نہ آئے، اور ہماری قربانی کی بحث اُن لوگوں سے ہے، جن کو ظاہر میں نفسِ

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ہے، اور جس پر تکلیفِ شرعی موقوف ہے، وہ اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ملکیت وغیرہ امور ہیں، ہاں وقت جس کا سبب ہے، یعنی وجوبِ اداء کا، سواس کے نہ پائے جانے کی وجہ سے کوئی بھی فقیہ اہلِ بلغاریہ کے حق میں اداء کے وجوب کا قائل نہیں ہے (ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' جنوری 2007ء، صفحہ ۱۵، ۱۶)

پس عشاء کا واجب القضاء ہونا سببِ وجوب نہ پائے جانے کے باوجود حجت ہے، کہ نفسِ وجوب موجود ہے، اس لئے کہ مطلق وقت بہرحال ہے، اور وقت خاص نہ ہونے کی وجہ سے وجوبِ اداء نہیں ہے، لیکن اگر وقتِ معینہ کو نفسِ وجوب کا سبب مؤثر مانا جائے، تو لازم آئے گا کہ اہلِ بلغاریہ کی عشاء کی نہ اداء ہوا ورنہ ہی قضاء ''وهو خلاف المنقول عن الفقهاء'' (ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' اکتوبر، نومبر 2008ء، صفحہ ۵۷)

www.idaraghufran.org

وجوب حاصل ہے۔

پس جن لوگوں کو ظاہر میں نفسِ وجوب کا سبب حاصل ہے، اِن کی حالت کو اُن لوگوں پر قیاس کرنا کہ جن لوگوں کو ظاہر میں نفسِ وجوب کا سبب حاصل ہی نہ ہو، یہ قیاس مع الفارق اور موجود ومعدوم میں فرق کا لحاظ نہ کرنے کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

یہی تفصیل ان غیر معتدل علاقوں کے باشندوں کے بارے میں بھی ہے کہ جہاں چھ ماہ یا اس سے کم وقت کے لئے سورج موجود یا غائب رہتا ہے۔ [1]

---

[1] (قوله :فيقدر لهما) هـذا مـوجـود في نسخ المتن المجردة ساقط من المنح، ولم أر من سبقه إليـه سـوى صاحب الفيض، حيث قال :ولـو كـانـوا في بلدة يطلع فيها الفجر قبل غيبوبة الشفق لا يجب عليهم صلاة العشاء لعدم السبب، وقيل يجب ويقدر الوقت .اهـ.

بـقـى الـكلام في معنى التقدير، والذي يظهر من عبارة الفيض أن المراد أنه يجب قضاء العشاء ، بأن يـقـدر أن الوقت أعني سبب الوجوب قد وجد كما يقدر وجوده في أيام الدجال على ما يأتي؛ لأنه لا يجب بدون السبب، فيكون قوله ويقدر الوقت جوابا عن قوله في الأول لعدم السبب.

وحـاصـلـه أنا لا نسلم لزوم وجود السبب حقيقة بل يكفي تقديره كما في أيام الدجال .ويحتمل أن الـمـراد بالتقدير المذكور هو ما قاله الشافعية من أنه يكون وقت العشاء في حقهم بقدر ما يغيب فيه الشفق في أقرب البلاد إليهم، والمعنى الأول أظهر(ردالمحتار، ج ا ص ٣٦٢، كتاب الصلاة)

فـاسـتـفـدنـا أن الواجب في نفس الأمر خمس على العموم، غير أن توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها ولا يسقط بعدمها الوجوب، وكذا قال -صلى الله عليه وسلم -خمس صلوات كتبهن الله على العباد .اهـ .وأما الذي ذكره البرهان الحلبي في شرح المنية فهو قوله والجواب أن يقال :كما استـقـر الأمر على أن الصلوات خمس، فكذا استقر الأمر على أن للوجوب أسبابا وشروطا لا يوجد بـدونهـا، وقـولـك شـرعـا عـامـا إلـخ إن أردت أنـه عام على كل من وجد في حقه شروط الوجوب وأسبـابـه سـلـمـنـاه ولا يـفـيـدك لعدم بعض ذلك في حق من ذكر...... والقياس على ما في حديث الـدجـال غيـر صـحـيـح؛ لأنـه لا مدخل للقياس في وضع الأسباب، ولئن سلم فإنما هو فيما لا يكون عـلـى خـلاف الـقـيـاس، والـحـديث ورد على خلاف القياس، فقد نقل الشيخ أكمل الدين في شرح الـمـشـارق عـن الـقـاضي عياض أنه قال :هـذا حـكـم مـخـصـوص بذلك الزمان شرعه لنا صاحب الشـرع، ولـو وكـلـنـا فيـه لاجتهـادنا لكانت الصلاة فيه عند الأوقات المعروفة واكتفينا بالصلوات الخمس .اهـ.ولئن سلم القياس فلا بد من المساواة ولا مساواة، فإن ما نحن فيه لم يوجد زمان يقدر لـلعشاء فيه وقت خاص .والـمـفـاد مـن الـحـديث أنه يقدر لكل صلاة وقت خاص بها ليس هو وقتا لـصلاة أخرى، بل لا يدخل وقت ما بعدها قبل مضى وقتها المقدر لها، وإذا مضى صارت قضاء كما في سائر الأيام فكأن الزوال وصيرورة الظل مثلا أو مثلين وغروب الشمس وغيبوبة الشفق وطلوع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پھر اس میں اختلاف ہے کہ اہلِ بلغار قضاء کی نیت کریں گے یا نہیں؟
بعض کے نزدیک اداء اور بعض کے نزدیک قضاء کی نیت کریں گے، لیکن اس میں شک نہیں کہ قضاء کی نیت کرنے کی صورت میں بھی وہ قضاء کرنے کے گناہ گار نہیں ہوں گے۔ [1]
بعض حضرات کی طرف سے وقت کے نفسِ وجوب کا سبب نہ ہونے پر ایک استشہاد میدانِ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الفجر موجودة فی أجزاء ذلک الزمان تقديرا بحكم الشرع ولا كذلک هنا إذ الزمان الموجود إما وقت للمغرب فی حقهم أو وقت للفجر بالإجماع فكيف يصح القياس وعلم بما ذكرنا عدم الفرق بين من قطعت يداه أو رجلاه من المرفقين والكعبين وبين هذه المسألة كما ذكره البقالی.
ولذا سلمه الإمام الحلوانی ورجع إليه مع أنه الخصم فيه -إنصافا منه، وذلک لأن الغسل سقط ثم لعدم شرطه لأن المحال شروط، فكذا هنا سقطت الصلاة لعدم شرطها بل وسببها أيضا، وكما لم يقم هناک دليل بجعل ما وراء المرفق إلى الإبط وما فوق الكعب بمقدار القدم خلفا عنه فی وجوب الغسل، كذلک لم يرد دليل يجعل جزء ا من وقت المغرب أو من وقت الفجر أو منهما خلفا عن وقت العشاء، وكما أن الصلوات خمس بالإجماع على المكلفين كذا فرائض الوضوء على المكلفين لا تنقص عن أربع بالإجماع لكن لا بد من وجود جميع أسباب الوجوب وشرائطه فی جميع ذلک، فليتأمل المنصف، والله سبحانه وتعالى الموفق اهـ كلام البرهان الحلبی(ردالمحتار، ج ۲ ص ۲۶۴، ۲۶۵، كتاب الصلاة)
فاستفدنا أن الواجب فی نفس الأمر خمس على العموم، غير أن توزيعها على تلک الأوقات عند وجودها، ولا يسقط بعدمها الوجوب، وكذا قال -صلى الله عليه وسلم -خمس صلوات كتبهن الله على العباد (فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۴، كتاب الصلاة، باب المواقيت)

[1] ثم هل ينوی القضاء ؟ الصحيح أنه لا ينوی القضاء لفقد وقت الأداء ومن أفتى بوجوب العشاء يجب على قوله الوتر أيضا(فتح القدير ج ۱ ص ۲۲۴، كتاب الصلاة، باب المواقيت)
قلنا :أما من قال من مشايخنا وغيرهم بأن القضاء يجب بأمر جديد فلا إشكال، وأما على قول الجمهور من مشايخنا أن القضاء يجب بما يجب به الأداء فانعقاد السبب يكفی لوجوب القضاء، وإن لم تخاطب بالأداء (البحرالرائق، ج ۱ ص ۲۰۴، كتاب الطهارة،باب الحيض)
(قلنا) قد ذكرنا فيما تقدم أن وجوب الأداء على نوعين نوع يكون الفعل فيه بنفسه مطلوبا من المكلف حتى يأثم فيه بترک الفعل ولا بد فيه من استطاعة سلامة الآلات ونوع لا يكون فعل الأداء فيه مطلوبا حتى لا يأثم فيه بترک الأداء بل المطلوب ثبوت خلفه وهو القضاء ويكتفی فيه بتصور ثبوت الاستطاعة ولا يشترط حقيقة الاستطاعة(كشف الاسرار، ج ۱ ص ۲۱۸، باب تقسيم المأمور به فی حكم الوقت، النوع الاول)

www.idaraghufran.org

عرفات میں عصر کا وقت داخل ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنے کے حکم سے کیا گیا ہے۔ [1]
مگر اس سلسلہ میں عرض ہے کہ حج کے دوران میدانِ عرفات میں ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کرنا حج کے مناسک میں سے ہے، اور حج کے مناسک پر جو کہ عموماً غیر معقولی ہیں، دوسری چیزوں کا قیاس درست نہیں، اور اسی وجہ سے جن دوسرے غیر حنفی حضرات نے **جمع بین الصلاتین فی العذر** کی صورت میں جواز کو عرفہ میں **جمع بین الصلاتین** پر قیاس کیا ہے، ہمارے فقہائے کرام نے اس کی تردید فرمائی ہے، اور اس کو **قیاس مع الفارق** قرار دیا ہے، کیونکہ جو چیز خلافِ قیاس، نص سے ثابت ہو، تو وہ اپنی تمام تر منصوص قیود و شرائط کے ساتھ نصِ مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے، جبکہ یہ نماز کا نماز پر قیاس ہے، اور نماز پر قربانی کا قیاس اس سے بھی بعید تر ہے، پھر یہ کیونکر **قیاس مع الفارق** نہ ہوگا۔ [2]

---

[1] چنانچہ مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) لکھتے ہیں کہ:
حجاج کے لئے میدانِ عرفہ میں وقوف کی خاطر چند شرطوں کے ساتھ جمع تقدیم کی اجازت ایک قوی دلیل ہے کہ مکلّف کا ذمہ پہلے سے مشغول بالواجب ہے۔
اگر نفسِ وجوب ہی وقتِ خاص سے قبل نہ ہوتا، تو جمع تقدیم کی اجازت ہرگز نہ ہوتی، کیونکہ اصل وجوب کے بغیر ادا کا مطالبہ نہیں کیا جاتا (ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' اکتوبر، نومبر 2008ء، صفحہ ۵۶)

[2] ومن جملة المناسک الجمع بین الظهر والعصر فی وقت الظهر (المحیط البرهانی، ج۲ص۴۲۷، کتاب المناسک، الفصل الثالث)

(ولنا) أن تأخیر الصلاة عن وقتها من الکبائر فلا یباح بعذر السفر والمطر کسائر الکبائر، والدلیل علی أنه من الکبائر ما روی عن ابن عباس -رضی الله عنهما -أن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قال :من جمع بین صلاتین فی وقت واحد فقد أتی بابا من الکبائر ، وعن عمر -رضی الله عنه - أنه قال :الجمع بین الصلاتین من الکبائر ، ولأن هذه الصلوات عرفت مؤقتة بأوقاتها بالدلائل المقطوع بها من الکتاب والسنة المتواترة والإجماع، فلا یجوز تغییرها عن أوقاتها بضرب من الاستدلال أو بخبر الواحد، مع أن الاستدلال فاسد؛ لأن السفر والمطر لا أثر لهما فی إباحة تفویت الصلاة عن وقتها، ألا تری أنه لا یجوز الجمع بین الفجر والظهر مع ما ذکرتم من العذر؟والجمع بعرفة ما کان لتعذر الجمع بین الوقوف والصلاة؛ لأن الصلاة لا تضاد الوقوف بعرفة، بل ثبت غیر معقول المعنی بدلیل الإجماع والتواتر عن النبی -صلی الله علیه وسلم -فصلح معارضا للدلیل المقطوع به، وکذا الجمع بمزدلفة غیر معلول بالسیر، ألا تری أنه لا یفید إباحة الجمع بین الفجر والظهر (بدائع الصنائع، ج ا ص۱۲۷، کتاب الصلاة، فصل شرائط أرکان الصلاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جیسا کہ ذاتِ رکوع وسجود والی نماز میں قہقہہ سے نقضِ وضو کے مسئلے کا معاملہ ہے، کہ یہ بھی خلافِ قیاس ہے، کیونکہ اس میں خروجِ نجاست کا سبب نہیں پایا جاتا، اس لیے یہ قہقہہ سے نقضِ وضو کا حکم اپنے نصِ مورد کے ساتھ خاص ہے، اوراس پر نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت وغیرہ کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ [1]

وقت کو نفسِ وجوب کا سبب قرار دینے پر بعض حضرات کی طرف سے مزید ایسے شبہات سامنے آئے، جو زیادہ اہمیت کے حامل معلوم نہیں ہوسکے، اور غلط فہمی یا تسامح پر مبنی معلوم ہوئے۔ [2]

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والعبادات المؤقتة لا يجوز تقديمها على أوقاتها إلا أن جواز تقديم العصر على وقتها ثبت بالنص غير معقول المعنى فيراعى فيه عين ما ورد به النص(بدائع الصنائع، ج٢ص ١٥٢، كتاب الحج،فصل بيان سنن الحج وبيان الترتيب فى أفعاله)

لأنه إنما ثبت بالنص غير معقول المعنى لما بينا فلا يمكن تعديته إلى غيره(كشف الاسرار، ج٤ص ٣٧٢، باب العوارض المكتسبة)

[1] (نوع آخر) فى القهقهة:يجب أن يعلم بأن القهقهة فى كل صلاة فيها ركوع وسجود تنقض الصلاة والوضوء عندنا لحديث خالد الجهنى قال :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى بأصحابه إذ أقبل أعمى، فوقع فى بئر أدركته هناك، فضحك بعض القوم قهقهة، فلما فرغ النبى عليه السلام من الصلاة،قال :ألا من ضحك منكم، فليعد الوضوء والصلاة ، والقهقهة خارج الصلاة لا تنقض الوضوء ؛ لأن انتقاض الوضوء بالقهقهة عرف بالسنة بخلاف القياس؛ لأن انتقاض الطهارة بخارج نجس، ولم يوجد ذلك، وليست القهقهة خارج الصلاة فى معنى القهقهة فى الصلاة؛ لأن حالة الصلاة حالة المناجاة مع الله تعالى فتعظم الجناية بالقهقهة فيها، ولا كذلك القهقهة خارج الصلاة، فبقيت القهقهة خارج الصلاة على أصل القياس(المحيط البرهانى، ج ا ص ٧٠، كتاب الطهارات، الفصل الثانى)

وإن ضحك دون القهقهة يبنى على صلاته؛ لأن القهقهة عرفت حدثا بخلاف القياس فى الشرع. ألا ترى أنه لا يكون حدثا خارج الصلاة، والضحك دون القهقهة(المحيط البرهانى، ج ا ص ٤٨٥، كتاب الصلاة، الفصل الخامس عشر)

[2] چنانچہ مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

ایامِ نحر کی آمد پر ہی نفسِ وجوب (یعنی ذمہ مشغول بالواجب) ہوتا ہے تو....

اگر فقیر (غیر مالک نصاب) نے ابتدائے یوم النحر میں قربانی کی اور ختم ایام سے پہلے غنی ہوگیا تو دوبارہ اس پر

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# قربانی کی شرائطِ وجوب کی تحقیق

## شرطِ وجوب کے بارے میں فقہائے کرام کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس کے بغیر عمل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قربانی کرنا واجب الاعادہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ بقول آپ کے قربانی نفس وجوب کے بعد وقت اداء میں کی گئی ہے۔ حالانکہ بالاتفاق وقت وجوب کے ختم سے پہلے غنا کا اگر تحقق ہو گیا تو قربانی واجب ہو گی اور پہلے والی قربانی بہر حال نفل کہلائے گی (ماہنامہ دار العلوم دیوبند، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص ۴۷)

مفتی صاحب موصوف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے، اس سے قربانی کے لئے وقت کے نفسِ وجوب کا سبب ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ خود یہ مسئلہ وقت کے نفسِ وجوب کا سبب اور غناء کے شرطِ وجوب ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ نفسِ وجوب کے بعد عمل جائز تو ہوتا ہے، مگر واجب نہیں ہوتا، اب وقت کے داخل ہونے کے بعد جب کسی فقیر نے قربانی کی، تو اس کی قربانی درست ہو جائے گی، کیونکہ اس قربانی کا وقوع سببِ وجوب کے بعد ہوا ہے، اگرچہ اس کے ذمہ قربانی واجب نہیں تھی، کیونکہ غناء جو کہ شرطِ وجوب ہے، وہ نہیں پایا گیا۔

جہاں تک فقیر کے قربانی کرنے کے بعد وقت ختم ہونے سے پہلے غنی ہو جانے کی صورت میں دوبارہ قربانی واجب ہونے نہ ہونے کا معاملہ ہے، تو اس میں خود فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔

بعض دوبارہ قربانی کے وجوب کے قائل ہیں، اور ان کا کہنا یہ ہے کہ پہلی قربانی تطوع واقع ہوئی ہے، جو واجب کے قائم مقام نہیں ہو گی، اور بعض حضرات دوبارہ عدمِ وجوب کے قائل ہیں، جیسا کہ فقیر کے حج کر لینے سے اس کا فریضہ ادا ہو جاتا ہے، اگرچہ بعد میں وہ غنی ہی کیوں نہ ہو جائے، اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے، اور متعدد متاخرین نے اس کو ہی اختیار کیا ہے، جن میں صدر الشہید وغیرہ داخل ہیں۔

اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب ''ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل واحکام'' میں ذکر کر دی ہے۔

**ولو ضحى الفقير ثم أيسر فى آخره عليه الإعادة فى الصحيح لأنه تبين أن الأولى تطوع بدائع ملخصا، لكن فى البزازية وغيرها أن المتأخرين قالوا لا تلزمه الإعادة وبه نأخذ(ردالمحتار ، ج٦ص ٣١٦، كتاب الاضحية)**

**اشترى شاة للأضحية فى أيام النحر وهو فقير، فضحى بها، ثم أيسر فى أيام النحر؛ قال الشيخ الفقيه أبو محمد الحرميني :عليه أن يعيد، وغيره من المتأخرين قالوا :لا يعيد وبه نأخذ(المحيط البرهاني، ج٦ص ١٠١، كتاب الاضحية، الفصل التاسع فى المتفرقات)**

**ولو ضحى فى أول الوقت وهو فقير، ثم أيسر فى آخره عليه إعادتها هو الصحيح كما فى العناية.وقال فى الذخيرة من المتأخرين من قال لا يعيد قال الصدر الشهيد وبه نأخذ اهـ(حاشية الشرنبلالى على دررالحكام شرح غرر الاحكام، ج١ ص٢٦٥،٢٦٦، شرائط الاضحية)**

www.idaraghufran.org

کی ادائیگی ذمہ میں واجب نہیں ہوتی۔

وہ الگ بات ہے کہ سببِ وجوب کے ہوتے ہوئے کوئی اگر شرائطِ اداء کے ساتھ عمل کرے، تو وہ عمل درست ہوجاتا ہے۔

قربانی کی شرائطِ وجوب پر امام کاسانی رحمہ اللہ نے تفصیلی گفتگو کی ہے، جن میں اسلام، حریت، اقامت اور غناء کو شمار فرمایا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

**وأما شرائط الوجوب؛ فأما فی النوعین الأولین (أی الذی یجب علی الغنی والفقیر) فشرائط أهلیة النذر وقد ذکرناها فی کتاب النذر وأما فی النوع الثالث (أی الذی یجب علی الغنی دون الفقیر)فمنها الإسلام فلا تجب علی الکافر لأنها قربة والکافر لیس من أهل القرب ......ومنها الحریة فلا تجب علی العبد وإن کان مأذونا فی التجارة أو مکاتبا......ومنها الإقامة فلا تجب علی المسافر؛ لأنها لا تتأدی بکل مال ولا فی کل زمان بل بحیوان مخصوص فی وقت مخصوص......ومنها الغنی لما روی عن عن رسول الله – صلی الله علیه وسلم – أنه قال: من وجد سعة فلیضح** (بدائع الصنائع، ج۵ ص ۶۳، ۶۴، کتاب التضحیة، فصل فی شرائط وجوب فی الاضحیة، دارالکتب العلمیة،بیروت)

ترجمہ: اور قربانی کی شرائطِ وجوب پہلی دوقسموں میں (یعنی جو غنی اور فقیر پر واجب ہوتی ہے) تو نذر کی اہلیت کی شرائط ہیں، جن کا ہم نے کتابُ النذر میں ذکر کردیا ہے۔

اور تیسری قسم میں (یعنی جو کہ غنی پر واجب ہوتی ہے، نہ کہ فقیر پر) اُن میں سے

www.idaraghufran.org

ایک تو اسلام ہے، پس کافر پر قربانی واجب نہیں، کیونکہ قربانی قربت ہے، اور کافر قربت کا اہل نہیں ہے...... اور ایک شرطِ وجوب آزاد ہونا ہے، پس غلام پر قربانی واجب نہیں، اگرچہ وہ ماذون فی التجارۃ یا مکاتب ہو...... اور ایک شرطِ وجوب مقیم ہونا ہے، پس قربانی مسافر پر واجب نہیں، کیونکہ وہ ہر مال سے اداء نہیں ہوسکتی، اور نہ ہر زمانے میں اداء ہوسکتی ہے، بلکہ مخصوص حیوان کے ساتھ مخصوص وقت میں ہی اداء ہوسکتی ہے...... اور ایک شرط غنی ہونا ہے، بوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہونے کے کہ جو وسعت کو پائے، تو وہ قربانی کرے (بدائع)

دیگر متعدد کتبِ فقہ میں بھی اسی طرح کی تفصیل مذکور ہے۔ [1]

---

[1] وشرائطها :الإسلام والإقامة واليسار الذى يتعلق به) وجوب (صدقة الفطر) كما مر (لا الذكورة فتجب على الأنثى) خانية (وسببها الوقت) وهو أيام النحر (الدرالمختار مع شرحه ردالمحتار، ج٦، ص ٣١٢، كتاب الأضحية)

(قوله وشرائطها) أى شرائط وجوبها (ردالمحتار، ج٦، ص ٣١٢، كتاب الأضحية)

وشرائطها الإسلام والإقامة واليسار الذى يتعلق به وجوب صدقة الفطر، وسببها الوقت وهو أيام النحر وركنها ذبح ما يجوز ذبحها (درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ١، ص ٢٦٥، و ٢٦٦، كتاب الأضحية)

ما ذكر من الشرائط شرائط وجوبها وشرائط صحتها تعلم من باقى كلامه (حاشية الشرنبلالى علىٰ درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج ١، ص ٢٦٥، كتاب الأضحية)

(وَأَمَّا) (شَرَائِطُ الْوُجُوبِ) : مِنْهَا الْيَسَارُ وَهُوَ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ وُجُوبُ صَدَقَةِ الْفِطْرِ دُونَ مَا يَتَعَلَّقُ بِهِ وُجُوبُ الزَّكَاةِ، وَأَمَّا الْبُلُوغُ وَالْعَقْلُ فَلَيْسَا بِشَرْطٍ حَتَّى لَوْ كَانَ لِلصَّغِيرِ مَالٌ يُضَحِّي عَنْهُ أَبُوهُ أَوْ وَصِيُّهُ مِنْ مَالِهِ وَلَا يَتَصَدَّقُ بِهِ وَلَا يَضْمَنَانِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى، وَإِنْ تَصَدَّقَ بِهَا ضَمِنَ، كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ .وَمِنْهَا الْإِسْلَامُ فَلَا تَجِبُ عَلَى الْكَافِرِ وَلَا يُشْتَرَطُ الْإِسْلَامُ فِي جَمِيعِ الْوَقْتِ مِنْ أَوَّلِهِ إلَى آخِرِهِ حَتَّى لَوْ كَانَ كَافِرًا فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ، ثُمَّ أَسْلَمَ فِي آخِرِهِ تَجِبُ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ وَقْتَ الْوُجُوبِ مُنْفَصِلٌ عَنْ أَدَاءِ الْوَاجِبِ فَيَكْفِي فِي وُجُوبِهَا بَقَاءُ جُزْءٍ مِنْ الْوَقْتِ، وَمِنْهَا الْحُرِّيَّةُ فَلَا تَجِبُ عَلَى الْعَبْدِ وَإِنْ كَانَ مَأْذُونًا فِي التِّجَارَةِ أَوْ مُكَاتَبًا، وَلَا يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ حُرًّا مِنْ أَوَّلِ الْوَقْتِ بَلْ تَكْفِي فِيهِ الْحُرِّيَّةُ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ الْوَقْتِ، حَتَّى لَوْ عَتَقَ فِي آخِرِ الْوَقْتِ وَمَلَكَ نِصَابًا تَجِبُ عَلَيْهِ الْأُضْحِيَّةُ، وَمِنْهَا الْإِقَامَةُ فَلَا تَجِبُ عَلَى الْمُسَافِرِ (الفتاوىٰ الهنديه، ج٥، ص ٢٩٢، كتاب الاضحية، الباب الاول)

www.idaraghufran.org

جس سے معلوم ہوا کہ غنی ہونا قربانی کی شرطِ وجوب ہے، نہ کہ سببِ وجوب، برخلاف زکاۃ کے، کمامرّ۔

پس بعض حضرات کا قربانی کے باب میں غنی ہونے کو شرطِ وجوب کے درجہ ومقام سے نکال کر (کسی بھی عنوان سے) نفسِ وجوب کے درجہ میں رکھنا، اوراس کو زکاۃ وغیرہ پر قیاس کرنا اور وقت کو سببِ وجوب کے بجائے، وجوبِ اداء قرار دینا غلط فہمی پر مبنی ہے۔ [1]

---

[1] جیسا کہ مفتی رشید احمد فریدی صاحب (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) لکھتے ہیں کہ:
احناف کے نزدیک قربانی کے وجوب (نفسِ وجوب) میں بنیادی شرط غناء ہے (ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، جنوری 2007ء، ص۹)

نفسِ وجوب کا تعلق ملکِ نصاب سے ہے، اور یہ مسلم ہے کہ قربانی مالی عبادت ہے زکاۃ وصدقۃ الفطر کی طرح، اسی لئے تینوں عبادتوں میں مالکِ نصاب ہونا شرط ہے، اور نصاب کا حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہونا بھی ضروری ہے، اور زکاۃ میں مالِ نامی ہونا بھی شرط ہے، پس جو کوئی مسلمان، آزاد، نصاب کے بقدر مالِ نامی کا مالک ہو، اور وہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو، تو اب مالی تینوں عبادتوں کا مکلّف ہو گیا، یعنی تینوں عبادت کا نفسِ وجوب ذمہ میں آ گیا، پھر زکاۃ میں سال بھر کا گزرنا، صدقۃ الفطر میں صبح یوم الفطر کا پانا، اور قربانی میں ایامِ نحر کا ہونا یہ سب وجوبِ اداء کے لئے شرط ہے، اس سے پہلے وجوب نہیں ہوتا، یعنی اس کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی ہے (ایضاً ص۱۱)

کتبِ فقہ میں جہاں کہیں وقت سے قبل وجوب کی نفی مذکور ہے وہ وجوبِ اداء کی نفی ہے۔ فافہم (ماہنامہ دارالعلوم، اکتوبر، نومبر 2008ء ص۴۴)

قربانی کا وجوب بھی غنا ویسار (ملک (نصاب) سے ثابت ہوتا ہے اور یہی وجوب فی الذمہ ہے جو منجانب اللہ ہے اور وہ وقت پر موقوف نہیں ہے (ایضاً ص ٦٧)

مالکِ نصاب کیلئے اخذ صدقہ کا حرام ہونا دلیل ہے کہ وجوب فی الذمہ متحقق ہو چکا ہے اور مطالبہ کی یہی لیاقت اور اہلیت کو مشائخِ احناف کے نزدیک نفس وجوب سے تعبیر کیا گیا ہے (ماہنامہ دارالعلوم، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص۳۵)

نفس وجوب یعنی ذمہ کے مشغول بالواجب ہونے کی بنیاد اور علّت غنا ویسار ہے نہ کہ وقتِ اضحیۃ (ماہنامہ دارالعلوم، دسمبر 2008ء، جنوری 2009ء، ص۹۱)

**القربات الموقتة يعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه** ایک شرعی قاعدۂ کلیہ ہے بلکہ **الموقتة** کے عموم میں واجباتِ موقتہ اور موقتاتِ غیر واجبہ دونوں شامل ہیں چنانچہ حج جس پر فرض ہے جب وہ بنفسِ نفیس حج اداء کرے گا تو اسی کے حق میں ایام واوقات کا اعتبار ہوگا اور اگر معذور ہونے کی وجہ سے

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

# قربانی کی شرطِ اداء کی تحقیق

شرطِ اداء کے بارے میں فقہائے کرام کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس کے بغیر عمل کی ادائیگی صحیح و جائز نہیں ہوتی۔

قربانی کے عمل کی شرائطِ اداء کیا ہیں؟ تو امام کاسانی رحمہ اللہ قربانی کے واجب کو قائم کرنے کے جائز ہونے کی شرائط کی فصل قائم کرکے فرماتے ہیں کہ:

**وأما شرائط جواز إقامة الواجب؛ وهي التضحية فهي في الأصل نوعان: نوع يعم ذبح كل حيوان مأكول ونوع يخص التضحية؛ أما الذي يعم ذبح كل حيوان مأكول فقد ذكرناه في كتاب الذبائح، وأما الذي يخص التضحية فأنواع: بعضها يرجع إلى من عليه التضحية، وبعضها يرجع إلى وقت التضحية، وبعضها يرجع إلى محل التضحية** (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ج ۵، ص ۷۱، كتاب التضحية، فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية، دارالكتب العلمية، بيروت)

ترجمہ: جہاں تک قربانی کے واجب کو قائم کرنے کے جائز ہونے کی شرائط کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

دوسرے کو بھیجا تو اس حاج عن الغير کے حق میں اوقات کا لحاظ ہوتا ہے خواہ محجوج عنہ کے یہاں یوم عرفہ اور وقت وقوف شروع ہو گیا ہو یا نہیں (البتہ محجوج عنہ پر حج فرض ہونا ضروری ہے اور اس کی فرضیت استطاعت پر متحقق ہو جاتی ہے) یہی حال نفل حج کا ہے اس لیے کہ شرعاً وہ بھی موقت ہے۔ ٹھیک اسی طرح قربانی ہے واجب ہو کہ نفل اس کی اداء مقید بالوقت ہے (رہا وجوب في الذمة سووہ غنا و یسار سے ہے) اور نماز، روزہ میں مکلّف ہی فاعل قربۃ ہے اس لیے اس کے حق میں اوقات ملحوظ ہوتے ہیں (ایضاً ص ۱۰۵)

ان تمام امور کا جواب فقہائے کرام کی عبارات کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اور قرباتِ مؤقتة اور غير مؤقتة میں فرق نہ کرنا ایک فقہی اہم غلطی ہے، کیونکہ قرباتِ مؤقتہ میں جبکہ وقت سببِ وجوب اور شرطِ اداء دونوں ہوں، کسی حال میں وقت پر تقدیم جائز نہیں، کیونکہ اداء دراصل سببِ وجوب پر مرتب ہوتا ہے، اور حج عن الغیر کا جواب پہلے گزر چکا ہے۔

www.idaraghufran.org

معاملہ ہے تو وہ دراصل دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ ہیں جو کہ ہر ماکولُ اللحم جانور کے ذبح کرنے کو عام ہیں۔

اور ایک وہ ہیں جو قربانی کے ساتھ خاص ہیں۔

جو شرائط ہر ماکولُ اللحم جانور کو عام ہیں، ان کا تو ہم نے کتاب الذبائح میں ذکر کر دیا ہے۔

اور جو قربانی کے ساتھ خاص ہیں، تو وہ چند قسم کی ہیں، بعض کا تعلق قربانی واجب ہونے والے مکلّف کے ساتھ ہے (مثلاً قربانی کی نیت کا ہونا، اور مضحی کا قابلِ شرکت جانور، اونٹ، گائے وغیرہ میں کسی غیر قربت کی نیت والے کو اپنے ساتھ بطور مضحی شریک نہ کرنا) اور بعض کا تعلق قربانی کے وقت کے ساتھ ہے، اور بعض کا قربانی کے محل (یعنی جانور) کے ساتھ ہے (مثلاً مخصوص جانور کا ہونا، جس کی عمر پوری ہو، اور اُس میں کوئی مانعِ اُضحیۃ عیب نہ ہو) (بدائع)

پھر اسی فصل میں آگے چل کر امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

**وأما الذى يرجع إلى وقت التضحية فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت كما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب كوقت الصلاة، فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانى من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى، غير أن للجواز فى حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد، لا يجوز تقديمها عليه عندنا** (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ۵،ص ۷۳، كتاب التضحية،فصل فى شرائط جواز إقامة الواجب فى الأضحية، ،دارالكتب العلمية،بيروت)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور جو (قربانی کے واجب کو قائم کرنے کے جائز ہونے کی شرط) قربانی کے وقت سے تعلق رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ قربانی وقت داخل ہونے سے پہلے جائز نہیں، کیونکہ وقت جس طرح شرطِ وجوب ہے، اسی طرح واجب کو قائم کرنے کے جائز (یعنی اداء وصحیح) ہونے کی بھی شرط ہے، جیسا کہ نماز کا وقت۔

پس کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایامِ نحر کے پہلے دن کی صبح صادق سے پہلے قربانی کرے، اور صبح صادق کے بعد جائز ہے، چاہے وہ شہری ہو یا دیہاتی۔

البتہ اہلِ مصر کے حق میں ایک شرطِ زائد یہ بھی ہے کہ قربانی عید کی نماز کے بعد ہو، ہمارے نزدیک عید کی نماز سے پہلے جائز نہیں (بدائع)

اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ:

هٰذَا كُلُّهٗ فِيْ بَيَانِ أَوَّلِ الْوَقْتِ لِلتَّضْحِيَّةِ ثُمَّ يَمْتَدُّ وَقْتُ الْأَدَاءِ مِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِيْدِ مِنَ الْيَوْمِ الْعَاشِرِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ لِأَهْلِ الْأَمْصَارِ إِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ مِنَ الْيَوْمِ الثَّانِيْ عَشَرَ فَيَكُوْنَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَ لَا تَجُوْزُ التَّضْحِيَّةُ فِى اللَّيْلَةِ الْعَاشِرَةِ مِنْ ذِى الْحِجَّةِ لِأَنَّهَا تَضْحِيَّةٌ قَبْلَ الْوَقْتِ (فتاویٰ قاضی خان، ج۳، ص ۲۰۶، کتاب الأضحية)

ترجمہ: یہ تمام قربانی کے اولِ وقت کے بیان میں ہے، پھر وقتِ اداء، شہر والوں کے لئے دس ذی الحجہ کی نمازِ عید سے لے کر بارہ تاریخ کے غروبِ شمس تک جاری رہتا ہے، پس یہ تین دن ہوئے، اور ذی الحجہ کی دسویں رات میں قربانی جائز نہیں، کیونکہ وہ وقت سے پہلے ہوتی ہے (قاضی خان)

اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ قربانی کا وقت نماز کے وقت کی طرح ہے کہ وقتِ وجوب بھی ہے، اور وقتِ جواز اور اداء بھی، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا ایک اضافی شرطِ جواز واداء ہے۔

اور فقہائے اصولیین نے نماز کے وقت کو سببِ وجوب اور شرطِ اداء قرار دیا ہے کہ وقت کے

اندر ہی نماز ادا کہلاتی ہے، اور وقت کے نکلنے سے فوت ہو جاتی ہے، اور وقت سے پہلے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہوتا۔ [1]

اور فقہائے کرام نے نماز کے وقت کی طرح ہی اُضـــحیة کے وقت کی حیثیت ہونے پر کئی مسائل متفرع فرمائے ہیں۔ [2]

اور بارہ ذی الحجہ کا غروب ہونے کے بعد فقہائے کرام نے قربانی کے قضاء ہو جانے کا حکم فرمایا ہے، کیونکہ وقتِ اداء ختم ہو جاتا ہے جو کہ قربانی کے وقت کے شرطِ اداء ہونے

---

[1] ثم الوقت يكون ظرفا للاداء وشرطا له وسببا للوجوب، وبيانه أنه ظرف للاداء لصحته فى أى جزء من أجزاء الوقت أدى، وهذا لان الصلاة عبادة معلومة بأركانها، فإذا لم يطول أركانها يصير مؤديا فى جزء قليل من الوقت، فإذا طول منها ركنا يخرج الوقت قبل أن يصير مؤديا لها، فعرفنا أن الوقت ليس بمعيار ولكنه ظرف للاداء وهو شرط أيضا.

فالاداء إنما يتحقق فى الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدى قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء.

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها، فأما ما هو الدليل على ذلك نذكره فى بيان أسباب الشرائع فى موضعه، ثم لا يمكن جعل جميع الوقت سببا للوجوب، لانه ظرف للاداء، فلو جعل جميع الوقت سببا لحصل الاداء قبل وجود السبب أولا يتحقق الاداء فيما هو ظرف للاداء، فإن شهود جميع الوقت لا يكون إلا بعد مضى الوقت، فلا بد أن يجعل جزء من الوقت سببا للوجوب، لانه ليس بين الكل والجزء الذى هو أدنى مقدار معلوم، وإذا تقرر هذا قلنا الجزء الاول من الوقت سبب للوجوب فبإدراكه يثبت حكم الوجوب وصحة أداء الواجب (اصول السرخسي، ج ا، ص ٣٠، ٣١)

[2] والأصل أن ما وجب كذلك يتعين الجزء الذى أدى فيه للوجوب أو آخر الوقت كما فى الصلاة وهو الصحيح وعليه يتخرج ما إذا صار أهلا للوجوب فى آخره، بأن أسلم أو أعتق أو أيسر أو أقام تلزمه، لا إن ارتد أو أعسر أو سافر فى آخره، ولو أعسر بعد خروج صار قيمة شاة صالحة للأضحية دينا فى ذمته، ولو مات الموسر فى أيامها سقطت، وفى الحقيقة لم تجب (ردالمحتار، ج٦، ص ٣١٦، كتاب الأضحية)

ووجه ذلك ما تقرر فى علم الأصول من أن وجوب الأداء فى المؤقتات التى يفضل الوقت عن أدائها كالصلاة ونحوها إنما يثبت آخر الوقت، إذ هنا يتوجه الخطاب حقيقة لأنه فى ذلك الآن يأثم بالترك لا قبله، حتى إذا مات فى الوقت لا شىء عليه .والأضحية من هاتيك المؤقتات فتسقط بهلاك المال قبل مضى وقتها، ولا تسقط بهلاكه بعد مضى وقتها لتقرر سبب وجوب أدائها إذ ذاك، بل يلزم قضاؤها بالتصدق بعينها أو بقيمتها، بخلاف الزكاة فإنها من الواجبات المطلقة دون المؤقتة كما نص عليه فى علم الأصول (فتح القدير، ج٩، ص ٥٠٨، كتاب الأضحية)

www.idaraghufran.org

کی واضح دلیل ہے۔ [1]

اور کتاب ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' میں ہے کہ:

وَأَمَّا شُرُوْطُ صِحَّتِهَا فَمِنْهَا السَّلَامَةُ مِنَ الْعُيُوْبِ فَلَا تَصِحُّ إِذَا كَانَ فِيْهَا عَيْبٌ مِّنَ الْعُيُوْبِ الْمُفَصَّلَةِ فِي الْمَذَاهِبِ......وَمِنْهَا الْوَقْتُ الْمَخْصُوْصُ فَلَا تَصِحُّ إِذَا فَعَلَتْ قَبْلَهُ أَوْ بَعْدَهُ وَفِيْ بَيَانِهِ تَفْصِيْلُ الْمَذَاهِبِ فَانْظُرْهُ تَحْتَ الْخَطِّ (اَلْحَنَفِيَّةُ قَالُوْا:يَدْخُلُ وَقْتُ الْأُضْحِيَّةِ عِنْدَ طُلُوْعِ فَجْرِ يَوْمَ النَّحْرِ وَهُوَ يَوْمُ الْعِيْدِ وَيَسْتَمِرُّ إِلٰى قُبَيْلِ غُرُوْبِ الْيَوْمِ الثَّالِثِ وَهٰذَا الْوَقْتُ لَا يَخْتَلِفُ فِيْ ذَاتِهِ بِالنِّسْبَةِ لِمَنْ يُّضَحِّيْ فِي الْمِصْرِ أَوْ يُضَحِّيْ فِي الْقَرْيَةِ وَلٰكِنْ يُّشْتَرِطُ فِيْ صِحَّتِهَا لِلْمِصْرِيِّ أَنْ يَّكُوْنَ الذِّبْحُ بَعْدَ صَلَاةِ الْعِيْدِ وَلَوْ قَبْلَ الْخُطْبَةِ...... أَمَّا الْقَرَوِيُّ سَاكِنُ الْقَرْيَةِ فَإِنَّهُ لَا يَشْتَرِطُ لَهُ ذٰلِكَ الشَّرْطُ،بَلْ يَذْبَحُ بَعْدَ طُلُوْعِ فَجْرِ النَّحْرِ وَإِذَا أَخْطَأَ النَّاسُ فِيْ يَوْمِ الْعِيْدِ فَصَلُّوْا وَضَحُّوْا ثُمَّ بَانَ لَهُمْ أَنَّهُ يَوْمَ عَرَفَةَ أَجْزَأَتْهُمْ صَلَاتُهُمْ وَأُضْحِيَّتُهُمْ،وَإِذَا تُرِكَتْ ذَبِيْحَةُ الْأُضْحِيَّةُ حَتّٰى فَاتَ وَقْتُهَا يَتَصَدَّقُ بِهَا حَيَّةً(الفقه على المذاهب الأربعة ،لعبد الرحمن الجزيرى،ج ا ص ٦٤٧، مباحث الأضحية ،دارالكتب العلمية، بيروت)

---

[1] (قوله ولو تركت التضحية إلخ) شروع فى بيان قضاء الأضحية إذا فاتت عن وقتها فإنها مضمونة بالقضاء فى الجملة كما فى البدائع.

(قوله ومضت أيامها إلخ) قيد به لما فى النهاية :إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها فى أيامها فعليه مثلها مكانها، لأن الواجب عليه الإراقة وإنما ينتقل إلى الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضى أيامها، وإن لم يشتر مثلها حتى مضت أيامها تصدق بقيمتها، لأن الإراقة إنما عرفت قربة فى زمان مخصوص ولا تجزيه الصدقة الأولى عما يلزمه بعد لأنها قبل سبب الوجوب اهـ (قوله تصدق بها حية) لوقوع اليأس عن التقرب بالإراقة، وإن تصدق بقيمتها أجزأه أيضا لأن الواجب هنا التصدق بعينها وهذا مثله فيما هو المقصود اهـ ذخيرة (ردالمحتار، ج٦، ص ٣٢٠، كتاب الأضحية)

www.idaraghufran.org

ترجمہ: اور جہاں تک قربانی کی شرائطِ صحت کا تعلق ہے، تو قربانی کی شرائطِ صحت میں سے جانور کا عیوب سے سالم ہونا ہے، پس مذاہب میں جن عیوب کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جب ان میں سے کوئی عیب موجود ہو، تو قربانی صحیح نہیں ہوتی......اور قربانی کی شرائطِ صحت میں سے مخصوص وقت کا ہونا بھی ہے، پس قربانی وقت سے پہلے یا وقت کے بعد صحیح نہیں ہوتی، اور اس کے بیان میں مذاہب کی تفصیل ہے، جس کو آپ حاشیہ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

حنفیہ نے فرمایا کہ اضحیة کا وقت یوم النحر یعنی عید کے دن کے طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے، اور تیسرے دن کے غروب تک جاری رہتا ہے، اور یہ وقت اپنی ذات میں مختلف نہیں ہوتا، خواہ قربانی کرنے والا شہر میں ہو یا گاؤں میں، لیکن قربانی کی صحت کے لئے شہری کے لئے یہ شرط ہے کہ ذبح عید کی نماز کے بعد ہو، اگرچہ خطبہ سے پہلے ہو...... جہاں تک دیہات میں سکونت اختیار کرنے والے کا تعلق ہے، تو اس کے لئے یہ شرط نہیں ہے، بلکہ وہ یوم النحر کے طلوعِ فجر کے بعد ذبح کرسکتا ہے، اور جب عید کے دن کے بارے میں لوگوں سے خطا ہوجائے، اور وہ نماز پڑھ لیں، اور قربانی کرلیں، پھر ان کو معلوم ہوجائے کہ یہ تو عرفہ کا دن تھا، تو ان کی نماز اور قربانی جائز ہوجائے گی، اور جب اضحیة کو ذبح نہ کیا جائے، یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہوجائے، تو اس کو زندہ صدقہ کیا جائے گا (الفقه علی المذاهب الأربعة)

مذکورہ عبارت سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جس طرح قربانی کا وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی کے وجوب بلکہ سِرے سے قربانی کی حقیقت یعنی مخصوص ''اراقةِ دَم'' کے قربت ہونے کو وجود نہیں ملتا، اسی طرح قربانی کی ادائیگی جائز ودرست اور صحیح ہونے کے لئے وقت کا پایا جانا بھی ضروری ہے، کیونکہ وقت گزرنے کے بعد قربانی ادا نہیں رہتی، بلکہ قضا ہوجاتی

www.idaraghufran.org

ہے، اور اس شرطِ اداء کا تعلق فعلِ ذبح سے ہے، جس طرح سے قربانی کے جانور کے عیب سے صحیح سالم ہونے کا تعلق اضحیۃ سے ہے۔ اور قربانی کے لئے غناء شرطِ وجوب ہے، نہ کہ نفسِ وجوب کا سبب (جیسا کہ بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی)

اور وقت نفسِ وجوب کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ شرطِ اداء، یا جوازِ اداء کی شرط بھی ہے، جس کو بعض نے شرطِ صحت بھی کہا ہے۔ [1]

علاوہ ازیں جانور کا ذبح کرنا قربانی کا رُکنِ رکین ہے، اور رُکن کا وقت کے اندر ہونا ادائیگی کی شرط ہے۔ [2]

---

[1] فقہائے کرام نے شرطِ اداء اور جوازِ اداء اور شرطِ صحتِ اداء کے الفاظ کے ساتھ اس کی تعبیر کی ہے، جیسا کہ جمعہ کے لئے فقہ حنفی کی رُو سے مصر کی شرط کا معاملہ ہے۔

ثم یختص جواز الأداء بأیام النحر وهی ثلاثة أیام عندنا قال -علیه الصلاة والسلام -أیام النحر ثلاثة أفضلها أولها .فإذا غربت الشمس من الیوم الثالث لم تجز التضحیة بعد ذلک(المبسوط لشمس الأئمة السرخسی ،ج۱۲ ،ص۹ ،باب الأضحیة)

أما صفتها فهی واجبة فی ظاهر الروایة علی الرجل والمرأة الموسر المقیم فی الأمصار دون المسافر اهـ لا یکون قیدا مخرجا للمقیم بغیر الأمصار ( تنبیه ) ما ذکر من الشرائط شرائط وجوبها وشرائط صحتها تعلم من باقی کلامه ولم یذکر الحریة صریحا لعلمها من قوله والیسار ولم یذکر العقل والبلوغ لما فیه من الخلاف(حاشیة الشرنبلالی علی درر الحکام شرح غرر الأحکام، ج۱ ص۲۶۵، کتاب الأضحیة)

أنه سبب للوجوب وشرط لصحة المؤدی (ردالمحتار، ج۲، ص۱۴۷، باب الجمعة)

اس سے معلوم ہوا کہ غنی اور مقیم ہونا شرطِ وجوب ہے، اور شرائطِ صحت یا شرائطِ جواز اس کے علاوہ ہیں، اور وہ وہی ہیں، جن کا دیگر فقہائے کرام نے ذکر فرمایا ہے، جن میں وقت اور اضحیۃ کا عیوب سے سالم اور شہر میں عید کی نماز وغیرہ کا ہونا ہے۔

[2] (قوله ورکنها ذبح إلخ) لأن رکن الشیء ما یقوم به ذلک الشیء والأضحیة إنما تقوم بهذا الفعل فکان رکنا نهایة (ردالمحتار، ج۶، ص۳۱۳، کتاب الأضحیة)

(وَأَمَّا) (رُکْنُهَا) : فَذَبْحُ مَا یَجُوزُ ذَبْحُهُ فِی الْأُضْحِیَّةِ بِنِیَّةِ الْأُضْحِیَّةِ فِی أَیَّامِهَا؛ لِأَنَّ رُکْنَ الشَّیْءِ مَا یَقُومُ بِهِ ذَلِکَ الشَّیْءُ، وَالْأُضْحِیَّةُ إنَّمَا تَقُومُ بِهَذَا الْفِعْلِ فَکَانَ رُکْنًا، کَذَا فِی النِّهَایَةِ (الفتاویٰ الهندیة، ج۵، ص۲۹۱، کتاب الأضحیة، الباب الأول)

وَأَدَاء الرُّکْن لَا یَصح فِی غیر وقته کأداء الصَّلَاة قبل الْوَقْت (تحفة الفقهاء، ج۱، ص۳۹۰، کتاب الْمَنَاسِک، مَسْأَلَة الْحَج)

الوقت ، وهو شرط لأداء أفعال الحج کالطهارة فی باب الصلاة وکذا التحریمة فی باب الصلاة عقد علی الأداء والشروع یتعقبه (تبیین الحقائق، ج۲، ص۴۵، باب التمتع)

فَإِنَّ الْوَقْتَ شَرْطٌ لِأَدَاءِ سَائِرِ الْأَرْکَانِ (العنایة شرح الهدایة، ج۱، ص۲۸۰، کِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الْمَوَاقِیتِ)

پس جس طرح مضحی کے حق میں سببِ وجوب ہونے کی وجہ سے وقت کا تحقق ووجود ضروری ہے، اسی طرح اس کے فعل کی ادائیگی (یعنی ذبح) کے لئے بھی (خواہ اصالتاً ہو یا وکالتاً) شرطِ اداء ہونے کی وجہ سے وقت کا ہونا ضروری ہے۔

## وقت کے سببِ وجوب اور شرطِ اداء ہونے کے شبہ کا جواب

یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ وقت کو جب سببِ وجوب قرار دے دیا گیا تو اس کو شرطِ اداء یا شرطِ جواز کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ایک چیز کا مختلف جہات سے مختلف حیثیات کا حامل ہونا ممکن ہے، جیسا کہ مسلمان ہونا قربانی کی شرطِ وجوب بھی ہے، اور شرطِ ادا بھی۔ [1]

اور یہی وجہ ہے کہ فقہائے اُصولیین نے عباداتِ مؤقتة کے لئے وقت کے بارے میں مختلف حیثیتوں سے مختلف جہات بیان فرمائی ہیں۔

مثلاً وقت سے قبل نماز جائز نہیں ہوتی، اور وقت کے سبب سے ہی نماز واجب ہوتی ہے، اس حیثیت سے وقت نماز کے لئے سببِ وجوب ہے۔

اور وقت گزرنے کے بعد نماز کی ادائیگی صحیح نہیں ہوتی، بلکہ قضا ہو جاتی ہے، کیونکہ وقت اس کے لئے شرط ہے، اس حیثیت سے وقت نماز کے لئے شرطِ ادا یا شرطِ صحتِ اداء ہے۔ [2]

---

[1] وأما الإسلام فهو شرط وجوب الصوم وسائر العبادات عندنا خلافا للشافعي،وهو شرط صحة الأداء بلا خلاف،ولقب المسألة أن الكفار غير مخاطبين بشرائع هي عبادات عندنا خلافا له(تحفة الفقهاء،ج ا ص ۳۵۰، كتاب الصوم)

وأما شرائط أركانه فمنها الإسلام فإنه كما هو شرط الوجوب، فهو شرط جواز الأداء ؛ لأن الحج عبادة، والكافر ليس من أهل العبادة(بدائع الصنائع ،ج۲ص ۱۶۰ ،كتاب الحج،فصل شرائط أركان الحج)

[2] اعلم أن الأوقات لها جهات مختلفة بالحيثيات فمن حيث أن الصلاة لا تجوز قبلها وإنما تجب بها أسباب ومن حيث أن الأداء لا يصح بعدها لإشتراط الوقت له وإنما تكون قضاء شروط ومن حيث أنها يجوز فيها أداء الفرض وغيره كالنفل ظروف بخلاف شهر رمضان فإنه معيار للصوم حتى لو نوى نفلا واجبا آخر يقع عن الفرض(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ج ا ص ۱۷۳)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ تمام وقت سببِ وجوب نہیں، بلکہ اس کا وہ جزو سبب ہے، جو اداء سے مقارِن و متصل ہو، ورنہ آخری وقت سببِ وجوب ہے۔ [1]

لہٰذا یہ شبہ درست نہیں کہ نفسِ وجوب کے ساتھ، شرطِ اداء کا اجتماع کیونکر ہو سکتا ہے؟

## قربانی اور اس کی قضاء قربتِ غیر معقولہ ہے

قربانی کیونکہ قربتِ غیر معقولة ہے، اور یہ وقت کے اندر ہی ان مخصوص شرائط کے ساتھ قربت بنتی ہے، جو نص سے ثابت ہیں، اس لئے اس کو دوسرے مالی وظائف (زکاۃ، صدقۂ فطر، حج وغیرہ) پر قیاس نہیں کیا جاسکتا (جیسا کہ بعض حضرات ایسا کر رہے ہیں) اور وقت ختم ہونے پر حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم بالکلیہ ساقط نہیں ہوتا، بلکہ اس کی قضا واجب ہو جاتی ہے، البتہ اس کی قضا مثلِ غیر معقول کے ساتھ ہوتی ہے، جو کہ تصدق ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

العبادات نوعان مطلقة ومؤقتة أما المطلقة فنوع واحد وأما المؤقتة فأنواع نوع جعل الوقت ظرفا للمؤدى شرط للأداء وسببا للوجوب وهو وقت الصلوات إلا ترى أنه يفضل عن الأداء فكان ظرفا لا معيارا والأداء يفوت بفواته فكان شرطا والأداء يختلف باختلاف صفة الوقت ويفسد التعجيل قبله فكان سببا(أصول البزدوى -كنز الوصول الى معرفة الأصول، ج ا ص ۴۲)

وإنما ابتدأ ببيان الوقت؛ لأنه سبب للوجوب وشرط للأداء فكانت له جهتان فى التقديم (مجمع الانهر، ج ۱، ص۷۶، كتاب الصلاة)

وإنما عد الوقت من الشروط مع أنه سبب لأنه شرط للأداء وسبب للوجوب (البناية شرح الهداية، ج۲، ص۴، كتاب الصلاة، تعريف الصلاة)

[1] أن الوجوب يضاف إلى كل الوقت إذا فات الأداء فى الوقت؛ لأنا إنما جعلنا جزءا من الوقت سببا ضرورة وقوع الأداء فى الوقت؛ لأن الوقت بعينه شرط الأداء وذلك سبب أيضا ولا يجوز أن يكون الوقت الواحد ظرفا وسببا فجعلنا جزءا منه سببا والباقى ظرفا وهذه الضرورة فيما إذا جعله ظرفا متحققة فإذا لم يجعله ظرفا بأن لم يؤد فى الوقت حتى فات سقطت الضرورة ووجب العمل بالأصل وهو أن يجعل الوقت سببا لكماله؛ لأن الإضافة وجدت إلى جميع الوقت يقال صلاة الظهر والظهر اسم لجميع الوقت(كشف الاسرار، ج ا ص۲۲۸، باب تقسيم المامور به فى حكم الوقت، النوع الاول)

[2] أقول :وليس هذا أيضا بشيء ، لأن مراد المصنف هناك فوات أداء الضحية بمضى الوقت لا سقوطها بالكلية فى حق المقيم أيضا، فإن الأداء وهو تسليم عين الثابت بالأمر يفوت بمضى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

## فقہائے کرام نے قربتِ غیر معقولة کے لئے ان تمام اوصاف کی رعایت کو ضروری

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الوقت فی الواجبات المؤقتة مطلقا، لأن الوقت شرط لأدائها علی ما عرف فی أصول الفقه.
وأما القضاء وهو تسليم مثل الواجب بالأمر فلا يسقط بمضى الوقت، وإنما الفائت بمضيه شرط الوقت لا غير، وهذا أيضا مما عرف فی أصول الفقه، وقد تقرر فيه أيضا أن القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة، وقد يكون بمثل غير معقول كالفدية للصوم وثواب النفقة للحج، وعدوا الأضحية من القسم الثانی وقالوا :إن أداء ها فی وقتها بإراقة الدم وقضاء ها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها، فقول ذلك البعض ثم ظاهر قول المصنف وتفوت بمضى الوقت يدل على أن وجوبها ليس بالقدرة الممكنة غير مسلم، وقوله وإلا لم تسقط وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فی يوم النحر ليس بصحيح، إذ لم يقل أحد بسقوطها بعد وجوبها حتى يصح قوله وإلا لم تسقط، ولم يقل أحد بصحة أداء المؤقتات بعد مضى وقتها حتى يصح قوله وكان عليه أن يضحى وإن لم يشتر شاة فی يوم النحر فإن التضحية إراقة الدم، وهی إنما تقبل فی وقت الأداء لا بعده، وإنما الذى يلزم بعده قضاؤها وهو إنما يكون بالتصدق بعينها أو بقيمتها لا بغيره(فتح القدير، ج۹،ص۵۰۷، كتاب الأضحية)
مراد المصنف هناک فوات أداء الضحية بمضى الوقت لا سقوطها بالكلية فی حق المقيم أيضا، فإن الأداء وهو تسليم عين الثابت بالأمر يفوت بمضى الوقت فی الواجبات المؤقتة مطلقا، لأن الوقت شرط لأدائها على ما عرف فی أصول الفقه
وأما القضاء وهو تسليم مثل الواجب بالأمر فلا يسقط بمضى الوقت ، وإنما الفائت بمضيه شرط الوقت لا غير ، وهذا أيضا مما عرف فی أصول الفقه ، وقد تقرر فيه أيضا أن القضاء قد يكون بمثل معقول كالصلاة للصلاة ، وقد يكون بمثل غير معقول كالفدية للصوم وثواب النفقة للحج ، وعدوا الأضحية من القسم الثانی وقالوا :إن أداء ها فی وقتها بإراقة الدم وقضاء ها بعد مضى وقتها بالتصدق بعينها أو بقيمتها(فتح القديرج۹،ص۵۰۷،كتاب الأضحية)
(لَوْ قَدَّمَ) الْأَدَاءَ عَلَى وَقْتِ الْوُجُوبِ؛ لِأَنَّهُ أَدَّى بَعْدَ تَقَرُّرِ السَّبَبِ وَهُوَ رَأْسٌ يَمُونُهُ وَيَلِي عَلَيْهِ فَأَشْبَهَ التَّعْجِيلَ فِي الزَّكَاةِ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مُدَّةٍ وَمُدَّةٍ (أَوْ أَخَّرَ) عَنْ وَقْتِهِ وَلَمْ تَسْقُطْ فَعَلَيْهِ إخْرَاجُهَا؛ لِأَنَّ وَجْهَ الْقُرْبَةِ فِيهَا مَعْقُولٌ وَهُوَ سَدُّ خَلَّةِ الْمُحْتَاجِ فَلَا يَتَقَدَّرُ وَقْتُ الْأَدَاءِ فِيهَا بِخِلَافِ الْأُضْحِيَّةِ، فَإِنَّ الْقُرْبَةَ فِيهَا إرَاقَةُ الدَّمِ وَهِيَ لَمْ تُعْقَلْ قُرْبَةً فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ النَّصِّ(درر الحكام شرح غرر الأحكام، ج۱،ص۱۹۵، كتاب الزكاة،باب الفطرة،أى صدقة الفطر)
لأن مبنى وجوب الزكاة على التيسير، والتيسير فی الوجوب من حيث إنه مال لا من حيث إنه العين والصورة، وههنا الواجب فی الوقت إراقة الدم، شرعا غير معقول المعنى فيقتصر الوجوب على مورد الشرع، وبخلاف صدقة الفطر (بدائع الصنائع، ج۵، ص۶۶، و۶۷، كتاب التضحية)
بخلاف الأضحية لأنها تكون قربة فی زمان مخصوص وأما التصدق بالمال فهو قربة فی الأماكن أجمع (غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر ،ج۲ص۲۱، كتاب الزكاة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

قرار دیا ہے، جو نص سے ثابت ہوں، اسی کو انہوں نے ''نص مورد'' کے ساتھ خاص ہونے سے تعبیر کیا ہے، نیز قربتِ غیر معقولة کے کسی دوسری چیز پر قیاس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور قربانی اصالتاً ہو یا وکالتاً بہرصورت اس کی ادائیگی ایامِ اضحیة میں ہی ثابت ہے، مضحی یا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلنا الأضحية غير معقولة فلا تكون عبادة إلا فی وقت مخصوص بخلاف التصدق...... قلنا هی قربة معقولة على ما بينا فلا تسقط بمضى الوقت كالزكاة بخلاف الأضحية لأن إراقة الدم غير معقول المعنى فلا تكون قربة إلا فی وقتها(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ج ا ،ص ١١٣،باب صدقة الفطر)

وعلى هذا الاصل حكم الاضحية، فالتقرب بإراقة الدم عرف بنص غير معقول المعنى فيفوت بمضى الوقت، لان مثله غير مشروع قربة للعبد فی غير ذلک الوقت(أصول السرخسی، ج ا ص ١٥،فصل فی بيان حكم الواجب بالأمر )

( وأما القضاء فإما بمثل معقول كالصلاة للصلاة ، وإما بمثل غير معقول كالفدية للصوم ، وثواب النفقة للحج ، وكل ما لا يعقل له مثل قربة لا يقضى إلا بنص كالوقوف بعرفة ، ورمى الجمار ، والأضحية )(التوضيح مع شرحه التلويح، ج ا ص ٣١٩)

وأما القضاء فنوعان إما بمثل معقول فكما ذكرنا وإما بمثل غير معقول فمثل الفدية فی الصوم وثواب النفقة فی الحج بإحجاج النائب ؛ لأنا لا نعقل المماثلة بين الصوم والفدية لا صورة ولا معنى فلم يكن مثلا قياسا.....ولهذا قلنا إن رمى الجمار لا يقضى والوقوف بعرفات والأضحية كذلک(كشف الأسرار،القضاء نوعان)

ذكر الفضلی فی فتاويه :وإذا مضى أيام النحر، فقد فاته الذبح؛ لأن الإراقة إنما عرفت فی زمان مخصوص، ولكن يلزمه التصدق بقيمة الأضحية، إذا كان ممن يجب عليه الأضحية(المحيط البرهانی ،ج٦،ص ٩١،كتاب الأضحية،الفصل الرابع فيما يتعلق بالمكان، والزمان) قوله ( والدليل على أنه ) أی وجوب التصدق .كان بهذا الطريق وهو احتمال كونه أصلا فی التضحية لا أنه مثل للأضحية غير معقول كالفدية للصوم ، أنه إذا جاء القابل أی أيام النحر منه لم ينتقل الحكم إلى الأضحية والحال أن هذا وقت يقدر فيه على مثل الأصل أی على مثل أصل الواجب وهو الإراقة إذ الإراقة للإراقة مثل من كل وجه ، أو معناه على المثل الأصلی فيجب أن يبطل الخلف وهو وجوب التصدق ، كما فی الفدية يعنی من وجب عليه الفدية إذا قدر على الصوم يسقط عنه الفدية وينتقل الحكم إلى الصوم ؛ لأنه المثل الأصلی فی الباب ، إلا أنه أی التصدق لما ثبت أصلا من الوجه الذی بينا وهو أن الأصل فی القربات المالية التصدق ، ووقع الحكم به أی حكم الشرع بوجوبه ، لم يبطل بالشک أيضا وهو أن التصدق إن كان أصلا لا يبطل بالقدرة على الإراقة ، وإن كانت الإراقة أصلا يبطل للقدرة على المثل الأصلی كما فی الفدية وقد صار كونه أصلا محكوما به فلا يبطل بهذا الشک كما لم يبطل الإراقة المنصوص عليها فی أيام النحر باحتمال كون التصدق أصلا (كشف الأسرار، ج ا ،ص ١٥٦،١٥٧ ،باب الامر،القضاء نوعان)

www.idaraghufran.org

اضحیۃ کسی ایک کے اعتبار سے بھی وقت سے پہلے یا وقت کے بعد بشکلِ "اراقۃِ دَم" ثابت نہیں، جہاں تک حج کا معاملہ ہے تو اس میں محجوج عنہ کے وقت کا اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ حج کے مباشر و فاعل کے وقت کا اعتبار ہوتا ہے، کیونکہ یہاں وقت سببِ وجوب نہیں ہے، بلکہ سببِ وجوب بیتُ اللہ ہے، جہاں فاعل کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ [1]

اسی طرح صدقۂ فطر کا بھی معاملہ ہے کہ صدقۂ فطر میں طلوعِ فجر یوم النحر، سببِ وجوب نہیں، لہٰذا اس پر بھی قربانی کا قیاس کرنا درست نہیں، اور قیاس مع الفارق کے قبیل سے ہے۔ [2]

---

[1] جیسا کہ مفتی رشید احمد صاحب فریدی (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) فرماتے ہیں کہ:
پس وکیل کا اپنے وقت کے اعتبار سے قربانی کرنا شرعاً ایسا ہی ہے جیسا کہ خود موکل کا وکیل کے مقام میں قربانی کرنا۔ گویا مطالبۂ شارع نیابۃً وکیل کی جانب متوجہ ہے۔ جیسے مستطیع معذور کی طرف سے حج کرنے والا ارکان و واجبات کی ادائیگی میں مقاماتِ اداء کے اوقات کی رعایت کرتا ہے اور شرعاً اسی کا اعتبار ہے نہ کہ محجوج عنہ کے وقت کا (ماہنامہ دارالعلوم، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص ۳۵، ۳۶)

عرض ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، حج میں وقت سببِ وجوب نہیں، برخلاف نماز اور اضحیۃ کے۔

[2] جیسا کہ مفتی رشید احمد صاحب فریدی (مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات) فرماتے ہیں کہ:
صدقۃ الفطر کے لئے وقت خاص یعنی طلوع صبح یوم الفطر شرط ہے وجوب اداء کی نہ کہ نفس وجوب کی۔ پس اگر وقت خاص کو نفس وجوب میں موثر مانیں تو لازم آئے گا کہ مالک نصاب ہونے کے باوجود طلوع فجر یوم الفطر سے پہلے صدقہ ادا کرنا صحیح نہ ہو۔ اور جب باتفاق احناف اور ظاہر الروایت کے مطابق صبح صادق سے قبل صدقۃ الفطر ادا کرنا صحیح ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ وقت خاص کو نفس وجوب میں قطعاً دخل نہیں ہے (ماہنامہ دارالعلوم، ستمبر، اکتوبر 2010ء، ص ۴۶)

صدقۂ فطر میں طلوعِ فجر یوم الفطر سببِ وجوب نہیں ہے، بلکہ شرطِ وجوب ہے، اور سببِ وجوب رأس ہے، لہٰذا سببِ وجوب کے پائے جانے کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا جائز ہے، جیسا کہ نصاب کے بعد حولانِ حول سے پہلے زکاۃ کا ادا کرنا اور غناء و یسار کے بغیر فقیر کا سببِ وجوب کے بعد قربانی کرنا۔

اور صدقۂ فطر کو قربتِ مؤقتۃ قرار دینا بھی محلِ نظر ہے۔

والامر ای المامور به نوعان، مطلق عن الوقت ، بحيث لايفوت الاداء بفواته كالزكاة وكذا صدقة الفطر على الصحيح (شرح المنار مع شرحه شرح المنار، ص ۵۴، مبحث الامر)

والامر نوعان، مطلق عن الوقت ، اى احدهما امر مطلق غير مقيد بوقت يفوت بفوته كالزكاة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

پس اگر سببِ وجوب ختم ہوگیا، اور وقت کے اندر قربانی کی ادائیگی نہیں پائی گئی تو اس کی قضاء بصورتِ تصدق واجب ہوجائے گی، اور صرف ذبح یا ''اراقۃِ دَم'' کافی نہ ہوگا۔

## خلاصۂ بحث

اب تک کی گزشتہ تمام تر تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ قربانی کا وقت مکلّف کے ذمہ کے لئے سببِ وجوب ہے، لہٰذا وقت سے پہلے قربانی درست نہیں ہوتی، اور وقت قربانی کی ادائیگی کے لئے شرطِ اداء ہے، اور سببِ وجوب قربانی کی ادائیگی کے عمل سے مقدم و متصل ہوتا ہے، ورنہ قربانی کا عمل ادا نہیں کہلاتا، اور وقت میں ادا کا عمل نہ پائے جانے اور وقت کے ختم ہوجانے سے یہ عمل قضاء ہوجاتا ہے۔

اب اگر مضحی اور اضحیۃ دونوں کا مقام متحد ہے یا مختلف ہے، لیکن دونوں مقامات کے اوقات متحد ہیں، تو قربانی کا وقت (ابتداءً وانتہاءً) دونوں کے حق میں ساتھ ساتھ ہوگا۔

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وصدقة الفطر فانهما بعد وجوب السبب اى ملک المال والرأس والشرط اى حولان الحول ويوم الفطر لايتقيدان بوقت يفوتان بفوته ، بل كلما ادى يكون اداء ا لا قضاء ا (نورالانوار ، ص ٥٦، مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع)

ولو عجل صدقة الفطر على يوم الفطر ذكر الكرخي أنه إذا عجل بيوم أو يومين جاز ولم يذكر أنه لو عجل بأكثر من ذلک هل يجوز،وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز التعجيل بسنة وسنتين وعن خلف بن أيوب أنه يجوز التعجيل بشهر لا غير،وعن الحسن أنه قال لا يجوز التعجيل ولا يجوز دون يوم الفطر ولو لم يؤد يوم الفطر تسقط عنه،والصحيح رواية الحسن بن زياد لأن سبب الوجوب هو رأس يمونه لولايته عليه والوقت شرط الوجوب والتعجيل بعد سبب الوجوب جائز كما في الزكاة ، وأما وقت الأداء فهو يوم الفطر من أوله إلى آخره ثم بعده يسقط الأداء ويجب القضاء عند بعض أصحابنا،وعند بعضهم وهو الأصح أنها تجب وجوبا موسعا لكن المستحب أن يؤدى قبل الخروج إلى المصلى (تحفة الفقهاء، ج ا ص ٣٣٩، ٣٤٠، باب صدقة الفطر)

قربانی قربتِ غیر معقولہ اور مؤقتہ ہے، اس میں جميع ماورد به الشرع کی فعل اور محل کے لحاظ سے رعایت ضروری ہے، جس میں وقت بھی داخل ہے، لہٰذا اس کا کسی دوسری چیز پر قیاس درست نہیں۔

وهو غير معقول المعنى، فيعتبر جميع ما ورد به الشرع من رعاية الفعل والمحل (البناية شرح الهداية، ج ا ص ٥٩٣، كتاب الطهارات، باب المسح على الخفين)

www.idaraghufran.org

لیکن اگر مضحی (یعنی قربانی کا مالک) ایک مقام پر ہے، اور اس کا اضحیۃ (یعنی قربانی کا جانور) دور دراز ایسے مقام پر ہے کہ دونوں مقام کے اوقات میں تفاوت پایا جاتا ہے، تو فقہ حنفی کی رو سے اس مضحی کی قربانی کی ادائیگی درست ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب (یعنی وقت) متحقق وموجود ہو، کیونکہ سببِ وجوب کا تعلق مضحی یا مکلّف کے ذمہ سے ہے۔ [1]

اور پھر یہ سببِ وجوب اس کی قربانی کی ادائیگی یعنی ذبح کے عمل کے ساتھ مقارِن ومتصل بھی ہو، کیونکہ وقت کا ہونا قربانی کے لئے شرطِ اداء بھی ہے، الغرض مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ دونوں مقامات پر قربانی کا وقت موجود ہو۔

اور اگر اضحیۃ کسی شہر میں ہے، تو ایک اضافی شرطِ اداء کی رو سے قربانی کی ادائیگی کا عمل درست وجائز ہونے کے لئے وہاں عید کی نماز کا ہونا بھی ضروری ہوگا۔

اب ہم مذکورہ موقف کی تائید میں چند فتاویٰ نقل کرتے ہیں۔

بعض اہلِ علم کی طرف سے ان فتاویٰ پر وارد ہونے والے بعض شبہات کے جوابات اور تحقیق طلب اُمور کی وضاحت ہم نے حسبِ ضرورت حواشی میں کردی ہے۔

## دارُالعلوم کراچی کا فتویٰ

### قربانی واجب ہونے میں قربانی کرنے والے کی جگہ کا اعتبار ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام درجِ ذیل مسئلہ میں کہ:

جو پاکستانی پاکستان میں رہ رہا ہو، اور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہے، اور افغانستان میں عید ایک دن قبل ہوجائے، جیسا کہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے، اور اس کا جانور

---

[1] وَالْفَرْقُ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّيْءِ، وَالثَّانِي هُوَ لُزُومُ تَفْرِيغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِي ذِمَّتِهِ (التوضيح فى حل غوامض التنقيح مع شرح التلويح ج ١ ص ٣٩٢، الباب الثانى، فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبى البخارى الحنفى)

www.idaraghufran.org

وہاں پر پہلے دن ذبح ہوجائے، تو یہ قربانی شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

مستفتی: محمد عبداللہ، کراچی

## الجواب حامداًومصلیاً!

قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب وقت ہے جو کہ یومِ نحر کے طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروبِ آفتاب تک ہے۔ [1]

[1] مندرجہ بالاموقف کے برعکس بعض حضرات کووقت کے بارے میں نفسِ وجوب کا سبب ہونا تسلیم نہیں، اور وہ اسے سببِ وجوبِ اداء قرار دیتے ہیں؛ یہ سخت غلط فہمی ہے، کیونکہ اولاً تو فقہائے کرام کی تصریحات کے مطابق وقت کا، نفسِ وجوب کا سبب ہونا بلاشک وشبہ درست ہے، دوسرے وجوبِ اداء کا سبب قرار دینے کے بعد بھی اس کے نتیجے سے کوئی مفر نہیں، کیونکہ جب ان حضرات کی طرف سے وجوبِ اداء کا سبب قرار دیا جارہا ہے، تو اس کا سببِ وجوب ہونا پھر بھی برقرار ہے، سوائے اس کے کہ اداء کا اضافہ کردیا گیا ہے، اور سبب کے بعد ہی مسبب کا حکم ہوتا ہے، لہٰذا وقت کے داخل ہونے سے پہلے قربانی کرنا پھر بھی معتبر نہیں ہوگا۔

نفس الوجوب الذی مناطه وجود السبب(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۳۵۷، باب صدقة الفطر)

لَا يَثْبُتُ بِالسَّبَبِ إِلَّا نَفْسُ الْوُجُوبِ(کشف الأسرار، ج ۱، ص ۱۳۹، بَابُ الْأَمْرِ )

أَنَّ نَفْسَ الْوُجُوبِ بِالسَّبَبِ وَوُجُوبَ الْأَدَاءِ بِالْخِطَابِ إِجْمَاعُهُمْ(کشف الأسرار، ج ۲، ص ۳۴۲، بَابُ بَيَانِ أَسْبَابِ الشَّرَائِعِ)

نفس الوجوب فی الذمة بوجود السبب(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۴۰، کتاب الصوم)

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ سببِ وجوب، اداء کا ہی متقاضی ہوتا ہے نہ کہ قضاء کا، البتہ جب سببِ وجوب گزر جائے تو پھر ادائیگی کے لئے بشکلِ قضاء عامۂ فقہاء کے نزدیک یہی وقت سببِ وجوب بن جاتا ہے، اور قضاء کے مقابلے میں ہی عموماً فقہائے کرام سببِ وجوبِ اداء کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔

وسبب القضاء هو سبب وجوب الأداء (تبیین الحقائق، ج ۱، ص ۳۱۳، کتاب الصوم)

وَسَبَبُ الْقَضَاءِ هُوَ سَبَبُ وُجُوبِ الْأَدَاءِ هَكَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ (الفتاویٰ الهندیة، ج ۱، ص ۱۹۴، كِتَابُ الصَّوْمِ، الْبَابُ الْأَوَّلُ)

وجوب القضاء فرع وجوب الأداء (تبیین الحقائق، ج ۱ ص ۳۳۴، کتاب الصوم، فصل فی العوارض)

البتہ اگر کسی کی مراد یہ ہو کہ وقت سببِ وجوب ہونے کے بجائے قربانی کے لئے غناء کی طرح شرطِ وجوب ہے، اور جس طرح شرطِ وجوب (مثلاً غناء) کے بغیر بھی قربانی جائز ہے، اگرچہ اُس پر واجب نہ ہو، تو یہ صریح غلط فہمی اور سبب وشرطِ وجوب میں

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

اور ''غنیٰ'' یعنی مالکِ نصاب ہونا یہ شرطِ وجوب ہے، اور مثلاً شہری کے حق میں قربانی کا نمازِ عید کے بعد انجام دینا یہ شرطِ اداء ہے۔ [1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یومِ نحر کے طلوعِ صبح صادق سے پہلے قربانی کا سرے سے وجوب ہی نہیں ہوتا ، جیسا کہ نماز ہے کہ وقتِ نماز داخل ہونے سے پہلے نماز فرض ہی نہیں ہوتی، لہٰذا اگر کسی نے وقت داخل ہونے سے پہلے نماز ادا کی تو فرض ادا نہیں ہوگا، اسی طرح اگر کسی نے یومِ نحر سے پہلے قربانی کی یا کرائی تو وہ بھی شرعاً معتبر نہیں ہوگی۔ [2]

فقہائے کرام کی وہ عبارات جن سے صراحتاً یا دلالتاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ قربانی میں مکانِ اضحیۃ کا اعتبار ہے، ان عبارات کا تعلق ''اداء'' سے ہے اور قربانی کے سلسلہ میں ''اداء'' میں بلاشبہ مکانِ اضحیۃ کا اعتبار ہے، کیونکہ اداء فعل ہے، اور

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلطِ مبحث پر مبنی ہے، کیونکہ قربانی کے وقت کا سببِ وجوب اور اس کے مقابلے میں غناء کا شرطِ وجوب ہونا فقہائے کرام نے بتصریح بیان فرمایا ہے۔ کمامر۔

**اعلم أن بعض العلماء لا یدرکون الفرق بین نفس الوجوب ووجوب الأداء ویقولون إن الوجوب لا ینصرف إلا إلی الفعل وهو الأداء فبالضرورة یکون نفس الوجوب هی نفس وجوب الأداء فلا یبقی فرق بینهما ولله در من أبدع الفرق بینهما(التوضیح مع شرحه التلویح ، ج ۱ ،ص ۳۸۰)**

[1] یعنی اضافی شرطِ ادا ہے، کیونکہ خود قربانی کے وقت کا ہونا بھی سببِ وجوب ہونے کے ساتھ ساتھ نماز کے وقت کی طرح شرطِ ادا ہے۔ کمامرّ۔ محمد رضوان۔

[2] یعنی نماز کا پڑھنا فرض درجے میں معتبر نہیں ہوگا، البتہ وہ نماز نفل بن جائے گی، کیونکہ نفل کے لئے وقت مقرر نہیں، مکروہ اوقات کو چھوڑ کر دیگر اوقات میں نوافل کا پڑھنا جائز ہے؛ برخلاف اُضحیۃ کے کہ یہ وقت سے پہلے سرے سے معتبر ہی نہیں ہوتی، کیونکہ وقت سے پہلے ''اراقۃِ دَم'' کی صورت میں نفل قربانی کا بھی وقت مشروع نہیں، اس لئے وہ ایک عام ذبیحہ ہوجائے گا، جو گوشت کھانے کے کام میں آئے گا، اس سے فرض یا نفل درجہ میں کسی بھی طرح نسک ادا نہیں ہوگا۔

**کما:قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا ذَبَحَ لِنَفْسِهِ، وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُکُهُ، وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِینَ (بخاری، رقم الحدیث ۵۵۴۶، کتاب الأضاحی، باب سنة الأضحیة)**

محمد رضوان

www.idaraghufran.org

فعل کا محل مال ہے جو کہ صورتِ مسئولہ میں جانور ہے۔ [1]

اور پھر اسی پر فقہائے کرام نے کئی مسائل متفرع کئے ہیں، مثلاً:

(۱) شہری آدمی اگر اپنا جانور دیہات میں بھیج دے، اور وہ خود شہر میں ہے، تو یہ جانور دیہات میں اگر طلوعِ فجر کے ساتھ ہی ذبح ہوا، تو بھی یہ قربانی شرعاً معتبر ہوگی، اگرچہ ابھی اصل قربانی کنندہ کے شہر میں نمازِ عید نہ ہوئی ہو۔

(۲) مسئلہ نمبر ا کے برعکس اگر دیہاتی اپنا جانور شہر کو بھیج دے، اور خود وہ دیہات میں ہے، تو یہ جانور شہر میں اگر طلوعِ فجر کے ساتھ ذبح ہوا، تو قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی، حالانکہ اصل ذبح کرانے والے کے ہاں عید کی نماز واجب ہی نہیں۔

(۳) زید خود کراچی میں ہے، اور اس کے اہل وعیال پشاور میں ہیں، وہ اپنے گھر والوں کو خط میں لکھتا ہے کہ پشاور میں میری طرف سے قربانی کے طور پر بکرا مثلاً ذبح کریں، چنانچہ وہ لوگ ذبح کر لیتے ہیں، تو اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں پشاور میں نمازِ عید ادا ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار ہوگا، نہ کہ کراچی کا، جہاں قربانی کرانے والا یعنی زید رہ رہا ہے۔

ان تمام مثالوں کا تعلق اداء سے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اداء میں مکانِ اضحیۃ کا اعتبار ہے۔

---

[1] اور فقہائے کرام نے جہاں کہیں بھی حج وغیرہ میں فاعل یا مباشر کے محل کا اعتبار کیا ہے، اس کا تعلق نفسِ وجوب کے تحقق ووجود کے بعد ہی، اداء سے ہے، کیونکہ جب تک مکلّف کے حق میں نفسِ وجوب متحقق نہ ہو، اس وقت تک خود اس کا یا اس کے نائب ووکیل کا اداء کرنا معتبر نہیں کہلاتا، اور حج کا سببِ وجوب بیتُ اللہ ہے، اور وہ ہر وقت موجود ہے، اور فاعل کے ساتھ اس کا اتصالِ مکانی بھی ہے، لہٰذا حجِ بدل کرنے والے کے حق میں اداء کا وقت معتبر ہوگا، اور قربانی کے وکالتاً کرنے کو حجِ بدل پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا، نفسِ وجوب کے تحقق کے بغیر اداء کے عمل کا اصالتاً یا وکالتاً معتبر ہونا کسی فقہی قاعدہ سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مسبب کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں، اور جب وقت میں مسببیت اور شرطیت دونوں جمع ہوں، تو تقدیم جائز ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

وتقديم المسبب على السبب لايجوز اصلا وههنا لما اجتمعت الشرطية والسببية فلاجرم ان لايجوز التقديم على الوقت (نورالانوار، ص۵۷، مبحث الامر، كون الامر المقيد اربعة انواع)

www.idaraghufran.org

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ''اداء'' کا اعتبار اس وقت ہوگا جب اس عمل کا پہلے سے مکلّف کے ذمہ نفسِ وجوب ہو چکا ہو، جیسا کہ شروع میں مذکور ہوا، کیونکہ وجوب سے قبل اداء کا اعتبار نہیں، اور نفسِ وجوب کا تعلق ذمہ مکلّف سے ہوتا ہے اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، مال نہیں، لہٰذا نفسِ وجوب میں مکلّف (فاعل) کے محل کا اعتبار ہوگا اور نفسِ وجوب کا سبب یومِ نحر ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحہ میں مذکور ہوا، لہٰذا نفسِ وجوب میں یہ دیکھا جائے گا کہ جہاں مضحی (قربانی کرنے کرانے والا) رہ رہا ہے، وہاں یومِ نحر ہو چکا ہے یا نہیں، اگر یومِ نحر ہو چکا ہے تو نفسِ وجوب ہو گیا، اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں خود قربانی کرے یا اس کی اجازت سے دوسرا کوئی آدمی کرے، دونوں صورتوں میں یہ قربانی شرعاً اداء ہو جائے گی۔ [1]

لیکن مضحی جہاں رہ رہا ہے وہاں یومِ نحر اگر نہیں ہوا ہے، تو جس طرح اس وقت یہ خود قربانی نہیں کر سکتا، اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی نہیں

---

[1] مذکورہ بالا عبارت اپنے مفہوم ومدعا پر بالکل واضح اور اصولِ فقہ کے مطابق ہے، مگر بعض حضرات کو اس عبارت کا مطلب سمجھنے میں غلط فہمی ہونے سے طرح طرح کے شبہات ہیں، اس عبارت میں وقت کو نفسِ وجوب کا سبب قرار دیا گیا ہے، نہ کہ شرطِ وجوب یا شرطِ اداء، پھر نفسِ وجوب کے بعد قربانی کی ادائیگی کو دیگر شرائط پائی جانے پر درست قرار دیا گیا ہے، جو کہ بالکل درست ہے، جب تک اس کے خلاف فقہی تصریح نہ پیش کی جائے، شک وشبہ اور خلطِ مبحث پیدا کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔

پس بعض حضرات کا یہ سمجھنا کہ یوم النحر سے اگر نفسِ وجوب ہو جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوگا کہ اگر کوئی مالدار، ایامِ نحر کے ختم ہونے سے پہلے فقیر ہو جائے، تو اس پر قربانی واجب ہونی چاہئے، حالانکہ اس سے قربانی کا وجوب ہی ساقط ہو جاتا ہے۔

یہ درست نہیں، کیونکہ صرف نفسِ وجوب سے قربانی کا ادا کرنا واجب نہیں ہوا کرتا، جب تک کہ شرائطِ وجوب نہ پائی جائیں، اور اگر نفسِ وجوب کے بعد شرائطِ وجوب پائی گئیں، لیکن آخری وقت سے پہلے مثلاً وہ فقیر ہو گیا، تو اس سے قربانی ساقط ہو جائے گی، کیونکہ اس کے حق میں سببِ وجوب یہی آخری وقت تھا، جس میں اس پر قربانی ادا کرنا واجب نہیں تھا، پس نفسِ وجوب اور وجوبِ اداء میں فرق کا لحاظ نہ کرنا غلط فہمی کا باعث ہے۔ محمد رضوان۔

کرسکتا، اگرچہ وکیل (دوسرا شخص) کے شہر یا ملک میں یومِ نحر شروع ہو چکا ہو۔ [1]

اس تفصیل سے یہ بات بالکل صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ اگر کوئی شخص مثلاً پاکستان میں رہ رہا ہے، اور وہ اپنی قربانی مثلاً افغانستان میں کراتا ہے، تو نفسِ وجوب کے وقت میں پاکستان کا اعتبار ہوگا، لہٰذا اگر افغانستان میں پاکستان سے ایک دن پہلے عیدالاضحیٰ ہوئی، اور اس پاکستانی کا جانور افغانستان میں پہلے دن ذبح ہوا، تو یہ قربانی شرعاً معتبر نہیں ہوگی۔

اس لئے دوسرے ممالک میں قربانی کرانے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وکیلوں کو اس بات کا پابند بنائیں کہ ہمارے جانور کو اس دن ذبح کریں، جس دن ہمارے یہاں بھی ایامِ نحر میں سے کوئی دن ہو۔

مذکورہ بالا اصول سے ضمناً ایک اور مسئلہ کا حکم بھی معلوم ہوا، اور وہ یہ ہے کہ مثلاً برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹے پیچھے ہے، مثلاً جب پاکستان میں ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں، تو اس وقت برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہے، اور وہ اپنی قربانی پاکستان میں کراتا ہے، تو جب تک برطانیہ میں یومِ نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو، اس وقت تک اس کا جانور پاکستان میں ذبح کرنا درست اور معتبر نہیں، لان نفس الوجوب لم یتحقق فی ذمته، کمامر.

فی فتح القدیر:

ان سبب وجوب الاضحیة الوقت وهو ایام النحر والغنی شرط الوجوب اھ ج (۸: ۴۲۵)

---

[1] اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، اور وہ یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے حق میں سببِ وجوب شروع و متحقق نہ ہوا، تو جس طرح اس وقت اس کو اصالتاً قربانی کرنا جائز نہیں، اسی طرح اس عمل کا وکالتاً کرانا بھی جائز نہیں، کیونکہ اس وقت وکیل کے ذبح کرنے کا عمل مؤکل کی طرف منسوب ہوگا، اور وقت داخل ہونے سے پہلے قربانی کرنا کہلائے گا۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

وفی البدائع:

اما شرائط الوجوب...الغنی لما روی عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم انه قال " من وجد سعة فلیضح" شرط علیه الصلاۃ والسلام السعة وهو الغنی اهـ(۵:۶۴)

وفی الهندیة:

واما شرائط الوجوب منها الیسار وهو ما یتعلق به وجوب صدقة الفطر اهـ(۵:۲۹۲)

وفی ردالمحتار:

فاول وقتها فی حق المصری والقروی طلوع الفجر الا انه شرط للمصری تقدیم الصلاۃ علیها، فعدم الجواز لفقد الشرط لالعدم الوقت اهـ(۹:۴۶۰)

وفی البدائع:

فاذا طلع الفجر من الیوم الاول فقد دخل وقت الوجوب فتجب عند استجماع شرائط الوجوب ،ثم لجواز الاداء بعد ذلک شرائط اخر نذکرها فی موضعها ان شاء اللہ تعالیٰ (۵:۶۵)

وفیه:

فاما الذی یرجع الی وقت التضحیة فهو انها لاتجوز قبل دخول الوقت لان الوقت کما شرط الوجوب فهو شرط جواز اقامة الواجب کوقت الصلاۃاهـ(۵:۶۵)

وفی البحرالرائق:

والمعتبر فی ذلک مکان الاضحیة حتی لو کان فی السواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ،وفی العکس لایجوز، الا بعد الصلاۃ....ولانها تشبه زکاۃ فیعتبر فی الاداء مکان المحل وهو المال، لامکان الفاعل، بخلاف صدقة الفطر حیث یعتبر فیها مکان الفاعل لانها تتعلق بالذمة ، والمال لیس بمحل لها اهـ(۸:۱۷۵)

وفی الطحطاوی علی الدر:

"قوله" والمعتبر مکان الاضحیة حتی لو کانت بالسواد والمضحی فی المصر یجوز کما انشق الفجر ، وفی العکس لایجوز الا بعد الصلاۃ، وهذا بخلاف صدقة الفطر ، حیث یعتبر فیه مکان الفاعل لانها تتعلق بالذمة، والمال لیس محلا لها اهـ(۴:۱۶۳)هکذا فی الشامیة(۹:۴۶۱،بیروت)والبدائع(۵:۶۵)ومجمع الانهر (ص۵۱۸)

وفی الخانیة:

ویعتبر مکان المذبوح لامکان المالک ،وفی صدقة الفطر یعتبر مکان المولیٰ لامکان العبید فی قول محمد وابی یوسف الاول رحمهمااللہ تعالیٰ ،فرجع ابویوسف رحمه اللہ وقال یعتبر مکان العبید اهـ(۳:۳۴۵)

وفی الدرالمختار:

ویقوم فی البلد الذی المال فیه، اهـ، وفی الشامیة : فلو بعث عبدا للتجارۃ فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه العبد،بحر(۲:۲۸۶)

وفی ردالمحتار:

ویعتبر فی الزکاۃ مکان المال فی الروایات کلها ، واختلف فی صدقة الفطر کما یأتی

اھ (۲:۳۵۳)

وفی الدرالمختار:

والـمعتبر فی الزکاۃ فقراء مکان المال ، وفی الوصیة مکان الموصی، وفی الفطرۃ مکان المؤدی ، وھو الاصح اھـ(۲:۳۵٦)

وفی فتاوی قاضیخان:

ولـو کـان ھـو فـی مـصـر وقـت الاضحیة واھله فی مصر آخر فکتب الی الاھل وامرھم بالتضحیة، فی ظاھر الروایة یعتبر مکان الاضحیة (۳:۳۴۵)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم

عصمت اللہ عصمہ اللہ

دارالافتاء دارالعلوم کراچی

۱۵/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۵/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: محمد رفیع عثمانی عفااللہ عنہ، ۱۵/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۱٦/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: احقر محمود اشرف غفراللہ لہٗ، ۱۸/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

بندہ عبدالرؤف سکھروی، دارالافتاء دارالعلوم کراچی، ۲۰/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: محمد عبدالمنان عفی عنہ ، ۲۱/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: اصغر علی ربانی، ۲۲/ شعبان/ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: محمد کمال الدین راشدی ، دارالافتاء دارالعلوم کراچی، ۲۲/ ۸/ ۱۴۲۰ھ

حسین احمد، ۲۳/ ۸/ ۱۴۲۰، فتویٰ نمبر ۱/ ۳۹۳

(ماخوذ از ماہنامہ ''البلاغ'' دارالعلوم کراچی، صفحہ ۴۷ تا ۴۹، ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ)

دارالعلوم کراچی کے فتوے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے، وہ صورتِ مسئولہ (یا استفتاء) کے مطابق ہے، اس لئے اس فتوے میں مسئلہ ھٰذا کی متعلقہ تمام صورتوں سے تعرض نہیں کیا گیا۔

www.idaraghufran.org

# جامعہ علومِ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن (کراچی) کا فتویٰ

## صاحبِ قربانی یا جانور، قربانی میں کس کی جگہ کا اعتبار ہے؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اگر کوئی برطانیہ میں مقیم ہو اور وہ پاکستان میں کسی کو اپنا وکیل بنا دے کہ آپ میری طرف سے قربانی کریں چونکہ عموماً برطانیہ والے پاکستان سے دو دن پہلے عید کرتے ہیں یعنی جس دن پاکستان میں عید ہوتی ہے وہ ان کا تیسرا دن ہوتا ہے اور جب پاکستان میں عید کا دوسرا دن ہوتا ہے تو ان کے ایام ختم ہو چکے ہوتے ہیں تو کیا یہ وکیل ان کی طرف سے دوسرے دن میں قربانی کرسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قربانی میں، قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوتا ہے یا جانور کے مقام کا؟ جبکہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ: جانور کے مقام کا اعتبار ہوگا (جلد۱۰، صفحہ۴۰ دارُالاشاعت، کراچی) اور دار الافتاء دار العلوم کراچی سے فتویٰ دیا گیا ہے کہ قربانی کرنے والے کے مقام کا اعتبار ہوگا جس کی فوٹو کاپی ساتھ منسلک کی جاتی ہے برائے کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ مستفتی: ارشاد الرحمٰن ویسہ اٹک

### الجواب ومنه الصدق والصواب

بطور تمہید چند امور کا ابتداء میں ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ اصل مسئلہ سمجھنے میں آسانی ہو۔

واضح رہے کہ شریعت مطہرہ میں قربانی کا تعلق چونکہ مخصوص ایام ومخصوص زمانہ کے ساتھ رکھا گیا ہے اس لئے فقہائے کرام نے قربانی کے وجوب کے لئے بنیادی اعتبار سے دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں:

ایک یہ کہ نفس وجوب پایا جائے یعنی ایامِ نحر کے مخصوص ایام شروع ہو جائیں،

www.idaraghufran.org

جو ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کے دن صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے، یعنی مذکورہ ایام کا دخول قربانی کے نفس وجوب کے لئے بنیادی شرط ہے، ان تین ایام میں جس دن بھی چاہے قربانی کرنا جائز ہے، ان دنوں کے علاوہ میں قربانی کرنا جائز نہیں۔

جیسا کہ بدائعُ الصنائع میں ہے:

**وایام النحر ثلاثة :یوم الاضحی وھو الیوم العاشر من ذی الحجه والحادی عشر والثانی عشر بعد طلوع الفجر من الیوم الاول الی غروب الشمس من الیوم الثانی عشر** (کتاب:التضحیة ، ط:دار احیاء التراث العربی. کذا فی الھندیه الاضحیه الباب الثالث :فی وقت الاضحیة ،ط : رشیدیه)

ان ایام کے گذرنے کے بعد بھی قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:

**ولو ذھب الوقت تسقط الاضحیة**(کتاب الاضحیة ، ط:رشیدیه)

دوسری شرط یہ کہ وجوب بھی ہواور وہ غنیٰ (مالداری) ہے یعنی اس شخص پر قربانی واجب ہوجاتی ہے جو مقدارِ نصاب یا اس سے زائد کا مالک ہو یا اس کی ملکیت میں ضرورت سے زائد اتنا سامان ہو جس کی مجموعی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا یا اس کی قیمت کے برابر ضرورت سے زائد دیگر اشیاء اس کی ملکیت میں ہوں۔

جیسا کہ الدر مع الرد میں ہے:

**وشرائطھا ای شرائط وجوبھا :الاسلام والاقامة والیسار الذی یتعلق به وجوب صدقة الفطر. وفی الشامیة :(قوله :والیسار) بان**

www.idaraghufran.org

**ملک مائتی درھم او عرضاً یساویھا غیر مسکنه وثیاب اللبس او متاع یحتاجه الی ان یذبح الاضحیة ولوله عقار یستغله فقیل : تلزم لو قیمته نصاباً وصاحب الثیاب الاربعة لو ساوی الرابع نصابا غنی وثلاثة فلا** الخ. (الاضحیة،ط:سعید)

غرض یہ کہ یہ دو چیزیں قربانی کے وجوب کے لئے بنیادی شرطیں ہیں، لہٰذا پہلی شرط کے مطابق وقت کے داخل ہونے کے بعد ہی قربانی کرنا جائز ہوگا نہ وقت سے پہلے جائز ہے اور نہ ہی وقت کے ختم ہونے کے بعد جائز ہے۔

جیسا کہ **شرح العنایة علیٰ ھامش فتح القدیر** میں ہے:

**فلایجوز فی لیلة النحر البتة لوقوعھا قبل وقتھا ولا فی لیلة التشریق المحض لخروجه**(کتاب الاضحیة ،ط :رشیدیه)

نیز قربانی کرنے والا جس ملک میں موجود ہے اس ملک کے **ایام النحر** کا اعتبار ہوگا۔ [1]

اگر کوئی پاکستانی مثلاً برطانیہ میں رہ رہا ہے اور وہاں **ایام النحر** شروع ہو جائیں تو اس پر لازم ہے کہ (وہاں) برطانیہ کے **ایامِ نحر** کے اعتبار سے قربانی کرے، کیونکہ وہاں نفس وجوب کا سبب پایا جاچکا ہے۔ پھر یہ کہ قربانی کرنے والے حضرات یا تو شہری ہوتے ہیں یا دیہاتی۔ شہری باشندوں کا حکم الگ ہے اور دیہات میں رہنے والوں کا حکم الگ ہے۔

شہری باشندوں کے لئے نمازِ عید سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا جائز نہیں، جبکہ دیہات میں رہنے والوں کے لئے طلوعِ صبح صادق کے ساتھ ہی قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہے، اس لئے کہ ان پر عید کی نماز واجب نہیں۔

---

[1] بشرطیکہ اس شخص کی قربانی اسی مقام پر ہو رہی ہو، جہاں کہ وہ موجود ہے، یا پھر کسی دوسری جگہ ہو رہی ہو، لیکن دونوں کے اوقات و تاریخ میں اتحاد ہو، جیسا کہ فتویٰ ہٰذا میں ہی آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

جیسا کہ هندية میں ہے:

**والوقت المستحب للتضحية فی حق اهل السواد بعد طلوع الشمس وفی حق اهل المصر بعد الخطبة . كذا فی الظهيرية**

(كتاب الاضحية الباب الثالث :فی وقت الاضحية ، ط:رشيديه)

فتح القدیر میں ہے:

**ووقت الاضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر الا انه لايجوز لاهل الامصار الذبح حتى يصلى الامام العيد**(الاضحية ، ط:رشيديه)

مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ نفسِ وجوب کا تعلق مکلّف یعنی قربانی کرنے والے کے ساتھ ہے لہٰذا نفسِ وجوب میں قربانی کرنے والے کے محل (مکان) کا اعتبار ہوگا۔

نیز مذکورہ بالا تفصیل کا تعلق اس مسئلہ کے ساتھ ہے کہ اگر کوئی شخص بذاتِ خود اپنے مکان و محل میں قربانی کرے، لیکن اگر کوئی شخص از خود اپنے محل میں قربانی نہیں کرتا بلکہ کسی دوسرے ملک میں رہنے والے کسی دوسرے شخص کو اپنی قربانی کا وکیل بنادے تو اس مسئلہ سے متعلق حکم کے لئے آئندہ سطور میں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

چونکہ نفسِ وجوب کا سبب یوم النحر ہے جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا ،لہٰذا اگر کوئی شخص اپنی قربانی کے لئے کسی دوسرے ملک میں رہنے والے کسی شخص کو وکیل بنادے تو ایسی صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ قربانی کا وکیل بننے والا اور کروانے والا (مؤکل) دونوں کے ہاں یوم النحر ہو چکا ہے یا نہیں؟ [1]

اگر یوم نحر ہو چکا ہے تو نفسِ وجوب ہوگیا اب دیگر شرائط کے پائے جانے کی صورت میں قربانی کرنے والا خود قربانی کرے یا کسی کو وکیل بنا کر کروائے دونوں

---

[1] اور جب یوم النحر شروع ہو چکا ہے، تو یقیناً یوم النحر کی طلوعِ فجر بھی ہو چکی ہے، جو کہ سببِ وجوب کا مبدء ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

صورتوں میں قربانی شرعاً ادا ہو جائے گی لیکن قربانی کرنے والا جہاں رہ رہا ہے اگر وہاں یوم نحر نہیں ہوا ہے جو کہ نفسِ وجوب کا سبب ہے تو جس طرح اس وقت وہ خود اپنی قربانی نہیں کرسکتا اسی طرح اس کی طرف سے کوئی اور بھی نہیں کرسکتا اگرچہ دوسرا شخص یعنی وکیل کے شہر یا ملک میں یوم النحر شروع ہو چکا ہو۔ [1]

اسی وجہ سے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قربانی کے لئے رقم کسی دوسرے ملک میں بھیج دے اور کسی کو قربانی کرنے کے لئے کہہ دے تو اس طرح رقم بھیج کر قربانی کرنا اگرچہ درست ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، لیکن اتنی بات ضروری ہے کہ قربانی دونوں ملکوں کے مشترکہ دن میں کی جائے ورنہ قربانی درست نہیں ہوگی۔ [2]

مثلاً: برطانیہ میں پاکستان کے حساب سے دو دن پہلے اگر قربانی کے ایام شروع ہوتے ہیں اور پاکستان میں دو دن بعد۔ تو برطانیہ میں رہنے والے آدمی کی قربانی پاکستان میں صرف پہلے دن میں صحیح ہوگی دوسرے اور تیسرے دن میں نہیں کیونکہ پاکستان کا پہلا دن برطانیہ کے حساب سے قربانی کا تیسرا دن ہے جبکہ دوسرا اور تیسرا دن برطانیہ کے حساب سے قربانی کا دن نہیں۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ برطانیہ کا وقت پاکستان کے وقت سے پانچ گھنٹے پیچھے ہے مثلاً: جب پاکستان میں صبح ساڑھے چھ بج رہے ہوتے ہیں تو برطانیہ میں رات کا ڈیڑھ بج رہا ہوتا ہے لہذا اگر کوئی آدمی برطانیہ میں رہ رہا ہو اور وہ پاکستان میں کسی

---

[1] اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک مؤکل کے حق میں سببِ وجوب متحقق نہیں ہوا، اس وقت تک اسے خود قربانی کرنا جائز نہیں، اور جو کام اسے کرنا جائز نہیں، اس کام کا اس وقت میں دوسرے کو وکیل بنا کر کرانا بھی جائز نہیں، جیسا کہ فقہی قاعدہ ہے۔ محمد رضوان۔

[2] اور مشترکہ وقت ہونے سے مراد یہ ہے کہ مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ دونوں میں یوم النحر کی طلوعِ فجر ہو چکی ہو، اور دونوں مقامات پر بارہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب نہ ہوا ہو، بلکہ اس کے درمیان درمیان کا وقت ہو، اور اگر مقامِ اضحیۃ کوئی شہر ہے، تو وہاں عید کی نماز بھی ہو چکی ہو۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

کو اپنی قربانی کا جانور ذبح کرنے کا وکیل بنا دے تو پاکستان میں اس کی قربانی اس وقت تک شرعاً معتبر نہ ہوگی جب تک برطانیہ میں یوم نحر کی صبح صادق طلوع نہ ہو کیونکہ یوم نحر کی ابتداء دس ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق سے ہوتی ہے۔

لہٰذا برطانیہ اور پاکستان کے ایام النحر میں جو دن دونوں ملکوں میں مشترک ہو صرف اس دن میں قربانی کرنا صحیح ہوگا اس کے علاوہ دنوں میں قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا۔

باقی فقہاء کی جن عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکانِ اضحیۃ کا اعتبار ہے تو اس کا تعلق اداء سے ہے یعنی جانور جس جگہ پر ہے ذبح کے احکامات میں وہاں کا اعتبار ہوگا نفسِ وجوب میں وہاں کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ نفسِ وجوب میں مکلّف یعنی قربانی کرنے والے کے محل کا اعتبار ہوگا۔

اگر جانور دیہات میں ہے تو اس صورت میں دیہات میں قربانی کے جانور کو صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد ذبح کرنا جائز ہوگا اگرچہ خود قربانی کروانے والا شہر میں ہو۔

جیسا کہ فتاویٰ ہندیة میں ہے:

**ولو اخرج الاضحیة من المصر فذبح قبل صلوٰۃ العید قالوا :ان خرج من المصر مقدار ما یباح للمسافر قصر الصلوٰۃ فی ذلک المکان جاز الذبح قبل صلوٰۃ العید وا لا فلا** (کتاب الاضحیة الباب الرابع :فیما یتعلق بالمکان والزمان ،ط:رشیدیه)

**بدائع الصنائع** میں ہے:

**روی عن ابی یوسف :یعتبر المکان الذی یکون فیه الذبح ولایعتبر المکان الذی فیه المذبوح عنه وانما کان کذلک لان**

www.idaraghufran.org

**الـذبـح هـو الـقـرية فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه** (كتاب التضحية فصل واما شرائط اقامة الواجب ،ط:سعيد)

اس کے برعکس اگر جانور شہر میں ہے اور قربانی کرنے والا دیہات میں ہو تو اس صورت میں جب تک شہر میں کسی ایک جگہ پر بھی عید کی نماز نہیں ہوگی جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

جیسا کہ **هندية** میں ہے:

**ولـو كـان الـرجل بالسواد واهله بالمصر لم تجز التضحية عنه الا بعد صلوٰة الامام** (كتاب الاضحية الباب الرابع :فيـما يتعلق بالمكان والزمان، ط: رشيديه)

غرض یہ کہ **مـكـانُ الاضحية** سے مطلق مراد لینا کہ قربانی کا جانور جہاں پر ہے وہاں اگر **ایــامِ نـحـر** شروع ہیں تو قربانی جائز ہے، چاہے قربانی کرنے والا کسی ایسے ملک میں کیوں نہ ہو جہاں **ایــامِ نحـر** ابھی شروع ہی نہیں ہوئے ہیں، ہرگز درست نہیں ہے، کیونکہ جہاں **ایــامِ نـحـر** شروع ہی نہیں ہیں وہاں اس شخص پر وجوب کا سبب ہی متحقق نہیں ہوا اور وجوب ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا جب تک کہ نفسِ وجوب کا تحقق نہ ہو۔ اس پوری تفصیل کا لبِ لباب اور خلاصہ یہ ہوا کہ قربانی کروانے والے (مؤکل) اور کرنے والے (وکیل) کے مکان میں اگر اختلاف اور فرق ہو تو دونوں جگہوں میں دیگر شرائط کے ساتھ ایامِ نحر کا پایا جانا ضروری ہے۔

باقی جہاں فتاویٰ رحیمیہ میں ایک سوال کے جواب سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مطلق مکانِ **اضــــحية** کو معتبر قرار دیا ہے خواہ قربانی کروانے والے شخص (مؤکل) پر نفسِ وجوب (ایامِ نحر کا پایا جانا) متحقق ہوا ہو یا نہیں، تو گذشتہ تفصیل اور فقہائے کرام کی صریح عبارات کے مطابق یہ رائے

www.idaraghufran.org

درست نہیں ہے کہ شہری اگر دیہات میں اپنا جانور قربانی کی نیت سے بھیج دے تو ایسی صورت میں مؤکل کے شہر میں عید کی نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو، بہر صورت دیہات میں اس جانور کی قربانی شرعاً معتبر ہوگی اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شہر میں رہنے والے شخص پر قربانی کا وجوب متحقق ہو چکا ہو، اور وہ ایام نحر ہیں، قربانی کا وجوب متحقق ہونے سے قبل، اگر جانور ذبح کردیا جائے، تو لامحالہ ایسی قربانی شرعاً معتبر نہیں۔

لہٰذا حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کا سائل کے جواب میں یہ فرمانا کہ مدراس میں عید الاضحیٰ پیر کے دن ہو اور مدراس میں رہنے والا کوئی شخص حیدر آباد میں رہنے والے کسی شخص کو اپنی قربانی کے لئے وکیل بنادے جبکہ حیدر آباد میں عید الاضحیٰ مدراس سے ایک دن قبل یعنی بروز اتوار ہو تو مدراس والے کی طرف سے حیدر آباد میں بروز اتوار قربانی کی جاسکتی ہے، تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی یہ رائے فقہی عبارات کے مطابق درست نہیں ہے، کیونکہ قربانی کے جانور کے ذبح کے وقت مدراس والے پر قربانی کا وجوب ہی متحقق نہیں ہوا، جس کی تفصیل ماقبل میں گذر چکی۔

اور ادباً عرض ہے کہ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں ہمیں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق یا رائے سے اتفاق نہیں ہے۔ [1]

باقی زیرِ بحث مسئلہ کے بارے میں استفتاء کے ہمراہ منسلکہ دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کو بغور پڑھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس فتویٰ کی رو سے مطلق جانور کا محل معتبر نہیں بلکہ مؤکل پر بھی نفسِ وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی دونوں جگہوں پر ایام نحر کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں ان کے فتویٰ اور ہمارے فتویٰ

[1] اور جو بعض حضرات اس رائے کو فقہائے کرام کی آراء کے مطابق ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں، یہ بھی درست نہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

میں کوئی اختلاف نہیں۔فقط۔ واللہ اعلم

کتبہٗ، طارق جمیل، متخصص فی الفقه الاسلامی

الجواب صحیح: محمد عبدالمجید دین پوری

الجواب صحیح: محمد انعام الحق محمد، محمد شفیق عارف، محمد داؤد

جامعہ علومِ اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(ماخوذاز: ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذیقعدہ ۱۴۳۰، نومبر 2009ء، جلد۷۲، شمارہ۱۱)

## مدرسہ شاہی مرادآباد (ہندوستان) کا فتویٰ

مدرسہ شاہی مرادآباد (ہندوستان) سے اس سلسلہ میں درجِ ذیل فتویٰ جاری ہوا:

اس مسئلہ میں تین چیزوں کو الگ الگ سمجھنا لازم ہے:

(1) سببِ وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کا سبب، یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کے طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

(2) شرطِ وجوب: یعنی قربانی واجب ہونے کی شرط آزاد مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

(3) شرطِ اداء: یعنی مالک نصاب پر قربانی کے ایام اور وقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجاتی ہے۔

پھر اس کے قربانی اداء کرنے کے لیے ایک مزید شرط ہے وہ یہ ہے کہ شہری آدمی کیلئے نمازِ عیدالاضحیٰ کی ادائیگی لازم ہے، یہی شہری کے لیے ادائیگی کی شرط ہے مگر یہ شرط دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی اور شرطِ اداء میں مکانِ اضحیۃ کا اعتبار ہے، مکانِ مضحّی کا اعتبار نہیں۔ [1]

---

[1] قربانی کا وقت کیونکہ شرطِ اداء بھی ہے، جیسا کہ اسی نمبر کے شروع میں مذکور ہے، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا ایک اضافی درجہ کی شرطِ اداء ہے، اس لئے مذکورہ عبارت سے شرطِ اداء کو شہری کے حق میں عید کی نماز ہونے کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے۔

www.idaraghufran.org

لہٰذا جہاں جانور ہوگا وہاں کا اعتبار ہوگا اور جہاں مالک ہو وہاں کا اعتبار نہیں، یہ مسئلہ صرف تیسری شرط کے اعتبار سے ہے اور پہلی اور دوسری شرط کے وجوب کے بغیر تیسری شرط کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔[1]

لہٰذا سب سے پہلے اول شرط یعنی دونوں جگہ قربانی کے زمانہ کا آنا لازم ہے، پھر شرطِ ثانی یعنی زمانۂ قربانی میں مسلمان کا مالکِ نصاب ہونا، ان دونوں شرطوں کے ایک ساتھ پائے جانے کے بعد تیسری کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

اور تیسری شرط (یعنی عید کی نماز کا ہونا، ناقل) ایک خصوصی اور جزوی شرط ہے عمومی اور کلی نہیں صرف شہری کے ساتھ یہ شرط لگی ہوئی ہے۔ دیہاتی کے ساتھ نہیں لہٰذا شہری اور دیہاتی کے اعتبار سے مکان اضحیۃ کا اعتبار ہوگا مکانِ مضحّی کا اعتبار نہیں۔

فتاویٰ رحیمیہ اور مسائلِ قربانی میں مسامحت ہوگئی ہے کہ اس میں تیسری شرط کو سببِ وجوب یعنی پہلی شرط کے درجہ میں لے جا کر لکھا گیا ہے جو درست نہیں ہے اور ساتھ میں ہدایہ، درمختار اور شامی کے تین جزیئے بھی نقل کیے ہیں ان تینوں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ سببِ وجوب اور شرطِ وجوب کے بغیر قربانی کرنا واجب نہیں ہوتا، اگرچہ سببِ وجوب کے بعد شرطِ وجوب کے بغیر قربانی کا ادا کرنا جائز ہوجاتا ہے، جبکہ شرطِ اداء پائی جائے، کیونکہ فقہائے کرام نے سببِ وجوب کے بعد عمل کی ادائیگی کو درست قرار دیا ہے، خواہ شرائطِ وجوب بھی نہ پائی جائیں، مثلاً مسافر کا جمعہ کی نماز ادا کرنا، اور روزہ رکھنا، لہٰذا سببِ وجوب کے بعد اور شرائطِ وجوب کے بغیر وہ عمل جائز ودرست تو ہوجاتا ہے، مگر اس عمل کا کرنا واجب نہیں ہوتا۔

فَإِذَا أَدَّى قَبْلَ ذَلِكَ الْوَقْتِ كَانَ مُؤَدِّيًا قَبْلَ وُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ فَلِهَذَا لَا يَجُوزُ(المبسوط، لشمس الأئمة السرخسي، كِتَابُ نَوَادِرِ الصَّوْمِ)

وَالْأَدَاءُ بَعْدَ تَقَرُّرِ سَبَبِ الْوُجُوبِ جَائِزٌ كَالْمُسَافِرِ إذَا صَامَ فِي رَمَضَانَ وَالرَّجُلِ إذَا صَلَّى فِي أَوَّلِ الْوَقْتِ جَازَ لِوُجُودِ سَبَبِ الْوُجُوبِ، وَإِنْ كَانَ الْوُجُوبُ مُتَأَخِّرًا(المبسوط لشمس الأئمة السرخسي ،كِتَابُ الزَّكَاةِ)

الأداء بعد تقرر الوجوب جائز كالمسافر إذا صام رمضان والرجل إذا صلى في أول الوقت جائز لوجود سبب الوجوب(البناية شرح الهداية، كتاب الزكاة، حكم تقديم الزكاة على الحول)

والحاصل أن بتحقق سبب الوجوب يجب الشيء في الذمة فإذا وجد المال النصاب وجبت في الذمة، وتعلقت بالزكاة، وأما وجوب الأداء الموقوف على مطالبة الشارع فهو إنما يتعلق بعد حولان الحول (عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية، ج٣، ص ١٨٩، كتاب الزكاة)

www.idaraghufran.org

جزئیات کا تعلق تیسری شرط کے ساتھ ہے پہلی شرط کے ساتھ نہیں ہے ان جزئیات کو اس مسئلہ سے متعلق سمجھنے میں مسامحت ہوگئی ہے (ندائے شاہی، مراد آباد، شمارہ جنوری ۲۰۰۵ء، ماخوذ از ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' دسمبر 2008ء، جنوری 2009ء ص ۹۲، ۹۳)

## مقامِ مضحی واضحیۃ کے اوقات متفاوت ہونے کی ممکنہ صورتیں

اب مذکورہ تفصیل کے بعد مقامِ مضحی واضحیۃ کے اعتبار سے اوقات کے متفاوت ہونے کی ممکنہ ومتوقعہ صورتوں کو مع حکم کے ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)......مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، لیکن مقامِ اضحیۃ میں یوم النحر کی طلوعِ فجر ہوچکی ہے، تو جب تک مقامِ مضحی میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوجائے، اور اگر مقام اضحیۃ کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہوجائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ جب تک مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوگی، اُس وقت تک مضحی کے حق میں سببِ وجوب شروع نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصالتاً اور وکالتاً قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا تعلق اُضحیہ سے ہے۔

لہٰذا مقامِ اضحیۃ میں عید کی نماز کا ہونا بھی ضروری ہوگا، تاہم مقامِ مضحی میں عید کی نماز کا ہونا ضروری نہیں، فقط طلوعِ فجر ہی کافی ہے۔ [1]

---

[1] وَسَبَبُهَا طُلُوعُ فَجْرِ يَوْمِ النَّحْرِ وَرُكْنُهَا ذَبْحُ مَا يَجُوزُ ذَبْحُهُ وَسَيَأْتِي الْكَلَامُ فِي صِفَتِهَا (تكملة البحر الرائق للطوری، ج۸، ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

وَالْفَرْقُ بَيْنَ نَفْسِ الْوُجُوبِ وَوُجُوبِ الْأَدَاءِ أَنَّ الْأَوَّلَ هُوَ اشْتِغَالُ ذِمَّةِ الْمُكَلَّفِ بِالشَّيْءِ، وَالثَّانِي هُوَ لُزُومُ تَفْرِيغِ الذِّمَّةِ عَمَّا تَعَلَّقَ بِهَا فَلَا بُدَّ لَهُ مِنْ سَبْقِ حَقٍّ فِي ذِمَّتِهِ (التوضيح فی حل غوامض التنقيح مع شرح التلويح ج ۱ ص ۳۹۲، الباب الثانی، فصل المأمور به نوعان مطلق ومؤقت، لعبيد الله بن مسعود المحبوبی البخاری الحنفی)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

(2)......مقامِ مضحی میں یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہوچکی ہے، لیکن مقامِ اضحیۃ میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، تو جب تک مقامِ اضحیۃ میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوجائے، اور اگر مقامِ اضحیۃ کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہوجائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوچکا ہے، لیکن قربانی کا وقت شرطِ اداء بھی ہے، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، اور اداء فعل ہے، جس کا تعلق اضحیۃ سے ہے۔

اس لئے مقامِ اضحیۃ میں قربانی کے عمل کی ادائیگی درست ہونے کے لئے وقت اور عید کی نماز کی شرائطِ اداء کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ [1]

(3)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہوچکا ہے، لیکن مقامِ اضحیۃ میں تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا، تو ''اراقۃِ دَم'' سے اس کی قربانی اداء نہیں ہوگی۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ثم الجزء الذی یتعین یصیر سببا لتغیر صفتہ من الصحۃ والفساد فإن کان صحیحا فلا یتأدی بصفۃ النقصان، وإن کان ناقصا یجوز أن یتأدی بصفۃ النقصان وفیہ یعتبر حال المکلف(مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر، ج ۱، ص ۷۳، کتاب الصلاۃ)

لا خلاف فی أن وجوب الأداء لا یتقدم علی نفس الوجوب (شرح التلویح، ج ۱، ص ۳۹۶)

فإذا ثبت تقرر السبب ثبت صحۃ الاداء (أصول السرخسی، ج ۲، ص ۲۷۹، فصل: فی بیان فساد الوضع)

فإذا أدی قبل ذلک الوقت کان مؤدیا قبل وجود سبب الوجوب فلھذا لا یجوز(المبسوط للسرخسی، ج ۳ ص ۱۳۱، کتاب نوادر الصوم)

[1] وَأَمَّا شَرَائِطُ أَدَائِهَا فَمِنْهَا الْوَقْتُ فِي حَقِّ الْمِصْرِيِّ بَعْدَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ لَا مَكَانُ الْمُضَحِّي (تکملۃ البحر الرائق للطوری، ج ۸، ص ۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

فَيُعْتَبَرُ فِي الْأَدَاءِ مَكَانُ الْمَحَلِّ وَهُوَ الْمَالُ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ بِخِلَافِ صَدَقَةِ الْفِطْرِ حَيْثُ يُعْتَبَرُ فِيهَا مَكَانُ الْفَاعِلِ لِأَنَّهَا تَتَعَلَّقُ بِالذِّمَّةِ وَالْمَالُ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لَهَا(تکملۃ البحر الرائق للطوری، ج ۸، ص ۲۰۰، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

www.idaraghufran.org

کیونکہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب اور شرطِ اداء ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کے ذمہ قضاء متحقق ہو چکی ہے، اور اس کے ذمہ ''اراقۃِ دَم'' کے بجائے تصدق لازم ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس کا وجوب اصالتاً ووکالتاً ''اراقۃِ دَم'' سے ادا نہ ہوگا، بلکہ تصدق ضروری ہوگا۔ [1]

(4)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب نہیں ہوا، لیکن مقامِ اضحیۃ میں تیسرے دن کا سورج غروب ہو چکا ہے، تو اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب موجود ہے، اور اس کے حق میں قربانی قضاء نہیں ہوئی۔ [2]

لیکن مقامِ اضحیۃ میں وقتِ اداء فوت ہو جانے (یعنی ظاہراً وحساً تیسرے دن کا سورج غروب ہو جانے) کی وجہ سے شرطِ اداء فوت ہو گئی ہے، جس کا تعلق فعلِ ذبح کے ساتھ ہے، اور اس صورت میں سببِ وجوب کا فعلِ اداء سے اتصال واقتران متعذر رہے، اس لئے اس صورت میں بھی قربانی کی ادائیگی کو فقہی اصولوں

---

[1] أَنَّ بَعْضَ الْوَقْتِ سَبَبٌ إِنَّمَا هُوَ فِي الْأَدَاءِ ,أَمَّا إِذَا لَمْ يُؤَدِّ فِي الْوَقْتِ فَفِي حَقِّ الْقَضَاءِ كُلُّ الْوَقْتِ سَبَبٌ؛ لِأَنَّ الدَّلَائِلَ دَالَّةٌ عَلَى سَبَبِيَّةِ كُلِّهِ لَكِنْ فِي الْأَدَاءِ عَدَلْنَا عَنْ سَبَبِيَّةِ الْكُلِّ إِلَى سَبَبِيَّةِ الْبَعْضِ لِضَرُورَةٍ، وَهِيَ أَنَّهُ يَلْزَمُ حِينَئِذٍ التَّقَدُّمُ عَلَى السَّبَبِ أَوْ تَأَخُّرُ الْأَدَاءِ عَنْ الْوَقْتِ، وَهَذِهِ الضَّرُورَةُ غَيْرُ مُتَحَقِّقَةٍ فِي الْقَضَاءِ(التوضيح مع شرحه التلويح ج ۱ ص ۳۹۸، الباب الثانی، فصل المامور به)

تاہم اگر کسی نے ایسا کرلیا، تو چونکہ موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں، اور عوام میں دین کے احکام اور بطورِ خاص مجتہد فیہ دقیق مسائل سے واقفیت کا غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھے دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک قربانی جائز ہے، اگرچہ یہ قول دیگر جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہے، لیکن ایک جلیل القدر مجتہد وامام کا قول ہے، اور دنیا کے مختلف اور دور دراز کے علاقوں میں اکثر وبیشتر ایک دن کی تاریخ کا فرق ہوتا ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں قربانی کو درست قرار دیئے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خاص طور پر جبکہ ایسے وقت قربانی کی جائے کہ صاحبِ اضحیۃ کے ہاں تیرہ ذی الحجہ کا سورج غروب نہ ہوا ہو، لیکن قربانی کرنے سے پہلے لوگوں کو بہر حال اس سے منع ہی کرنا چاہئے (جس کی تفصیل ضمیمہ میں آتی ہے) محمد رضوان۔

[2] اور اس لئے اگر مضحی اپنے مقام پر قربانی کرے تو درست ہے۔ مگر مانحن فیہ میں بحث دوسرے متفاوتُ الاوقات مقام پر قربانی کرنے سے ہے۔

www.idaraghufran.org

کے مطابق درست قرار دیا جانا مشکل ہے۔ [1]

پس مقامِ مضحی ومقامِ اضحیۃ کے اوقات متفاوت ہونے کی صورت میں قربانی جیسی نازک عبادتِ موقتہ اور قربتِ غیر معقولہ کو فقہ حنفی کی رو سے شرعی اصولوں کے مطابق انجام دینے کا اسلم واحوط طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے مقامات میں وقت کے پائے جانے اور موجود ہونے کا لحاظ کیا جائے، اور مقامِ اضحیۃ اگر کوئی شہر یا قصبہ ہے جس میں عید کی نماز واجب اور درست ہوتی ہے، تو عید کی نماز کے ہونے کا بھی انتظار کیا جائے، اور اس کے برعکس اس

---

[1] التاخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (اصول البزدوی، ج ا، ص ۴۳، باب تقسيم المأمور به فی حكم الوقت)

فعرفنا أن الوقت ليس بمعيار ولكنه ظرف للاداء وهو شرط أيضا .فالاداء إنما يتحقق فی الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدی قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء .

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات،

فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (اصول السرخسی، ج ا، ص ۳۰)

ومن حكمه أن التأخير عن الوقت يوجب الفوات لذهاب شرط الاداء (أصول البزدوی، ج ا، ص ۴۳، باب تقسيم المأمور به فی حكم الوقت)

فالاداء إنما يتحقق فی الوقت والتأخير عنه يكون تفويتا، ومعلوم أن الاداء بأركان يتحقق من المؤدی قبل خروج الوقت، فعرفنا أن خروج الوقت مفوت باعتبار أنه يفوت به شرط الاداء .

وبيان أنه سبب للوجوب أنه لا يجوز تعجيلها قبله، وأن الواجب تختلف صفته باختلاف الاوقات، فهذا علامة كون الوقت سببا لوجوبها (أصول السرخسی، ج ا، ص ۳۰، فصل : فی بيان موجب الامر فی حكم الوقت)

لان الأصل فی السبب هو الاتصال بالمسبب كما فی شرح المنار لابن نجيم (رد المحتار، ج ا، ص ۳۵۶، كتاب الصلاة)

وَأَمَّا شَرَائِطُ أَدَائِهَا فَمِنْهَا الْوَقْتُ فِی حَقِّ الْمِصْرِیِّ بَعْدَ صَلَاةِ الْإِمَامِ وَالْمُعْتَبَرُ مَكَانُ الْأُضْحِيَّةِ لَا مَكَانُ الْمُضَحِّی (تكملة البحر الرائق للطوری، ج۸، ص۱۹۷، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

فَيُعْتَبَرُ فِی الْأَدَاءِ مَكَانُ الْمَحَلِّ وَهُوَ الْمَالُ لَا مَكَانُ الْفَاعِلِ (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۸، ص۲۰۰، كِتَابُ الْأُضْحِيَّةِ)

علاوہ ازیں ظاہراً وحساً تیسرے دن کا غروب ہونے کے بعد قربانی کرنا عوام میں فتنہ وانتشار اور غلط فہمی کا بھی باعث ہے۔

www.idaraghufran.org

قربتِ غیر معقولہ کو جو مخصوص وقت میں ہی قربت بنتی ہے، قیاسی استدلالات کے ذریعہ سے فقہی اصولوں ونزاکتوں کو نظر انداز کر دینے کے طرزِ عمل سے اجتناب کیا جائے۔

## چند شبہات کا ازالہ

اس سلسلہ میں ہم نے اپنا موقف تو گزشتہ صفحات میں باحوالہ پیش کر دیا ہے، لیکن اس کے برعکس موجودہ دور کے بعض حضرات مذکورہ صورت میں یعنی جبکہ مضحی اوراس کی اضحیة کے مقامات واوقات مختلف ومتفاوت ہوں، مضحی اور اضحیة، دونوں مقامات پر قربانی کے وقت کی رعایت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، بلکہ صرف مقامِ اضحیة میں وقتِ اضحیة کے موجود ہونے کو کافی قرار دیتے ہیں، اور مقامِ مضحی کے یہاں وقتِ اضحیة شروع یا ختم ہونے کا قطعاً اعتبار نہیں کرتے، اور اپنے اس موقف کو ثابت کرنے کے لئے قیاسی اور بعیدی استدلالات پیش کرتے ہیں، اور فقہائے اصولیین کے اصول وقواعد کے مطابق سابقہ اوراق میں پیش کردہ موقف کو مختلف تاویلات کے ذریعے جدید موقف قرار دیتے ہیں، جبکہ ہمارے نزدیک سابقہ اوراق میں پیش کردہ موقف فقہائے احناف کے اصول وقواعد کے مطابق ہونے کی وجہ سے انتہائی احتیاط وسلامتی پر مبنی ہے، اور ہرگز جدید موقف کہلائے جانے کا مستحق نہیں، اوراس کے خلاف موقف کا گزشتہ دلائل سے اصولی انداز میں مرجوح ہونا ظاہر ہو چکا، اور قربانی کیونکہ عبادتِ غیر معقولہ ہے، اس لئے اس کا کسی دوسری چیز (مثلاً حج، زکاۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) پر قیاس کرنا درست نہیں، بالخصوص جبکہ مقیس علیہ چیزوں (حج، زکاۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) کا سببِ وجوب وغیرہ بھی قربانی کی طرح وقت نہیں ہے، بلکہ اس سے مختلف ہے۔

ان حضرات کی طرف سے قربانی کی ادائیگی درست ہونے کے لئے دونوں مقامات (یعنی مقامِ مضحی واضحیة) میں قربانی کے وقت کی رعایت ملحوظ ہونے کے موقف پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے حرج وتنگی لازم آتی ہے، کیونکہ دونوں مقامات کی رعایت میں وقت

www.idaraghufran.org

تنگ ہوجاتا ہے، اور مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ کے اوقات کے تفاوت کا پتہ چلانا بھی مشکل ہوتا ہے۔

حالانکہ یہ شبہ اولاً تو اس لئے درست نہیں کہ شریعت نے قربانی کرنے والے کو کسی دوسرے مقام پر قربانی کرانے کا مکلّف نہیں کیا، بلکہ اصل حکم خود اپنے ہاتھ سے قربانی کرنے یا دوسرے سے قربانی کرانے کی صورت میں خود حاضر رہنے اور قربانی کے گوشت سے خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے قول وفعل سے عام حالات میں اسی طرح ثابت ہے، اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے مقام کے لحاظ سے نماز کی طرح وقت کے آغاز واختتام کا مکلّف ہے۔ [1]

البتہ شریعتِ مطہرہ نے کسی کو وکیل بنا کر قربانی کرنے کی رخصت واجازت بھی دے دی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اصل حکم خود ہر شخص کو اپنے اپنے مقام پر قربانی کرنے کا ہے۔

اب جو شخص خود اپنے مقام پر قربانی کرنے کا اصل حکم ترک کرکے کسی دور دراز متفاوتُ الاوقات مقام پر قربانی کراتا ہے، تو یہ تنگی اس کی خود اختیار کردہ ہے، شریعت پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

دوسرے کسی مقام پر قربانی کرانے کی صورت میں ضروری نہیں کہ مقامِ مضحی واضحیۃ کے اوقات متفاوت ہوں، بلکہ دونوں مقامات کا متحد الاوقات ہونا بھی ممکن ہے، اور اگر اوقات میں تفاوت ہو تو غیر معمولی تفاوت ہونا ضروری نہیں، بلکہ معمولی تفاوت کا بھی امکان ہے، جس کی رعایت مشکل نہیں۔ [2]

---

[1] بخلاف الأضحية فالظاهر أنها كأوقات الصلوات يلزم كل قوم العمل بما عندهم فتجزء الأضحية فی اليوم الثالث عشر وإن كان علی رؤيا غيرهم هو الرابع عشر (ردالمحتار، ج۲، ص۳۹۴، کتاب الصوم، سبب صوم رمضان)

[2] اور ہر جگہ کے طلوع وغروب کے اوقات کا دوسری جگہ کے اوقات سے باوجود زیادہ فاصلہ ہونے کے غیر معمولی متفاوت ہونا ضروری نہیں، مثلاً ہندوستان کے شہر دہلی، بمبئی، کلکتہ وغیرہ میں باوجودیکہ غیر معمولی فاصلہ ہے، مگر فرق صرف چند منٹوں کا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عام طور پر عین صبح صادق ہوتے ہی فوراً قربانی نہیں کی جایا کرتی اور نہ ہی تیسرے دن کے عین غروب کے وقت، اور ایسا کرنے والے کو خود احتیاط کا حکم ہے اور جن علاقوں کا باہم غیر معمولی تفاوت ہے ان کے بارے میں کلام آگے ساتھ ہی مذکور ہے۔

www.idaraghufran.org

تیسرے شریعتِ مطہرہ کی طرف سے قربانی کے لئے تین دن اور دوراتوں کی سہولت دی گئی ہے، اوراس کیلئے وقت کو غیر معمولی وسیع الظرف بنایا گیا ہے، اگراس کے لئے نماز کی طرح وقت کو چند گھنٹوں پر مشتمل رکھا جاتا تو حرج لازم آنے کی بات کی جاسکتی تھی، لہٰذا ایک مقام سے دوسرے مقام تک چند گھنٹوں کے فرق سے بلکہ اس سے زیادہ (مثلاً ایک یا دو دن) کے فرق سے بھی قربانی کرنے میں حرج لازم نہیں آتا، کیونکہ قربانی کا اصل رکن ''اراقۃِ دَم'' (یا جانور کا ذبح کرنا) ہے، جس میں لمبا چوڑا وقت درکار نہیں، بلکہ جانور کے ذبح کا عمل دو رکعتوں کے وقت سے بھی کم میں ادا ہو جاتا ہے۔

پس وقت کی تنگی لازم آنے کا شبہ زیادہ اہمیت کا حامل نہیں۔

اور آج کے دور میں پوری دنیا کے اوقات (طلوعِ فجر وغروب وغیرہ) کا پتہ چلانا کوئی بھی مشکل کام نہیں رہا، جو شخص کسی دوسرے مقام پر اپنی قربانی کراتا ہے، تو جس طرح اپنی قربانی کے جانور کی عمر اور عیب وغیرہ جیسے امور کی رعایت کا اہتمام کرانا اس کی ذمہ داری ہے، اسی طرح اوقات کی رعایت کا اہتمام کرانا بھی اس کی ذمہ داری ہے، اور جس ذریعہ سے وہ مکانِ بعید میں کسی کو وکیل بنا سکتا ہے، اسی ذریعہ سے طرفین کے اوقات کی رعایت کا بھی امر کرسکتا ہے، جس کی پابندی وکیل پر لازم ہو جائے گی۔ [1]

دوسرا شبہ موجودہ دور کے بعض حضرات کی طرف سے یہ کیا جاتا ہے کہ اکنافِ عالم سے حرم

[1] ایک صاحبِ علم نے ہندوستان کے بے شمار شہروں کے اوقات کے تفاوت کا لمبا چوڑا نقشہ دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مختلف علاقوں میں اوقات کے تفاوت کی وجہ سے مقامِ مضحی واضحیۃ دونوں کے اوقات کا لحاظ مشکل ہے۔

حالانکہ اوقات کے تفاوت کے معلوم ہونے سے خود اوقات کے تفاوت کا لحاظ کرنا ممکن ہوتا ہے، چہ جائیکہ مشکل کا باعث ہو، خصوصاً جبکہ یہ تفاوت بھی منٹوں یا چند گھنٹوں پر مشتمل ہے، جس پر کلام اوپر گزر چکا۔

اگر اوقات کے تفاوت کے تفصیلی نقشہ کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہوتا کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اوقات کے تفاوت کا علم ہو جائے گا، اور مختلف مقامات کے اوقات کی رعایت کرنے میں سہولت حاصل ہوگی، تو پھر یہی عمل لوگوں کے لئے اوقات کی رعایت کے ملحوظ ہونے کی تبلیغ وتشہیر کا حصہ بن جاتا۔

میں قربانی کے لئے ہدی بھیجنے کا شریعت کی روشنی میں قدیم دستور رہا ہے، حالانکہ ہدی بھیجنے والے اور ذبح فی یوم النحر کے درمیان اوقات کا بین فرق بلکہ اکثر قمری تاریخ کا بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے۔

قربانی کرانے والے وہ لوگ بھی ہیں جو دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم رہتے ہیں، ان کے اور حرم میں ذبح کے وقت میں کثیر تفاوت پایا جاتا ہے، اور عموماً تاریخ کا بھی رہتا ہے، تو امت کے اس قدرِ مشترک متواتر عمل کا باطل ہونا لازم آ رہا ہے۔

(ملاحظہ ہو: ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند''، دسمبر 2008ء، جنوری 2009ء صفحہ نمبر ۹۴، وصفحہ نمبر ۱۰۱
مضمون: از مفتی رشید احمد فریدی صاحب)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اولاً تو ہدی کا مفہوم باعتبار زمانے کے ہماری زیرِ بحث قربانی سے عام اور وسیع ہے، اور ھدی کا اصل اطلاق حرم مکہ میں ذبح یا تصدق کیے جانے والے جانور پر آتا ہے، جس میں حج وعمرہ کا دمِ احصار وغیرہ بھی داخل ہے، اور ہر ھدی کا ایامِ اضحیۃ میں ذبح کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرم میں ذبح کرنا ضروری یا کافی ہے۔

اور اگرچہ حج قران اور حجِ تمتع کی ھدی کا ایامِ نحر میں ذبح کرنا واجب ہے، مگر ظاہر ہے کہ متمتع یا قارن خود ان ایام میں وہیں موجود ہوتا ہے، اس کے کسی دوسری جگہ سے ھدی بھیجنے کا کیا مطلب؟

اور اگر کوئی ذمہ میں سابق واجب شدہ دمِ شکر بھیجتا ہے، تو اس میں ایامِ نحر کا کیا دخل؟ [1]

---

[1] فالهدى ما يهدى للحرم والأضحية ما يذبح فى أيامها حتى لو لم يكن كذلك لم يوجد الاسم وسنذكر تمام تحقيقه فى باب اليمين فى البيع إن شاء الله تعالى (رد المحتار على الدر المختار، ج٣، ص ٧٤١، كتاب الأيمان)

قال فى الفتح ومعنى الهدى هنا : ما يتصدق به بمكة لأنه اسم لما يهدى إليها (رد المحتار على الدر المختار، ج٣، ص ٨٨٢، كتاب الأيمان، باب اليمين فى البيع والشراء والصوم والصلاة وغيرها، مطلب فى معنى الهدى)

وأما زمان ذبح الهدى فمطلق الوقت لا يتوقت بيوم النحر، سواء كان الإحصار عن الحج، أو عن العمرة وهذا قول أبى حنيفة وقال أبو يوسف، ومحمد : إن المحصر عن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

لہٰذا جن ھدیوں کے لئے حرم کی حدود ضروری ہے، اور ایامِ اضحیۃ کے بغیر بھی ان کی ادائیگی معتبر ہے، ان کے تو درست ہونے میں شبہ نہیں، خواہ وہ ایامِ اضحیۃ میں ذبح کی گئی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

الحج لا يذبح عنه إلا فی أيام النحر، لا يجوز فی غيرها، ولا خلاف فی المحصر عن العمرة أنه يذبح عنه فی أی وقت كان(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۱۸۰، كتاب الحج،فصل حكم الإحصار)

ويجوز ذبح الهدايا قبل أيام النحر والجملة فيه أن دم النذر والكفارة، وهدى التطوع يجوز قبل أيام النحر، ولا يجوز دم المتعة والقران والأضحية، ويجوز دم الإحصار فی قول أبی حنيفة، وعند أبی يوسف ومحمد لا يجوز(بدائع الصنائع فی ترتيب الشرائع، ج۲،ص ۲۲۵، كتاب الحج،فصل سبب وجوب الحج)

اعلم انهٗ لايختص ذبح هدى بايام النحر الا هدى المتعة والقران بالاجماع فلا يسقط لو ذبح قبلها خلافاً لما بعدها وذهب القدوری الیٰ ان هدى التطوع يختص بايام النحر ايضاً والجمهور علیٰ خلافهٖ وهو الصحيح، فيجوز ذبحه قبل يوم النحر كما صرح به فی الاصل الا ان ذبحه فی يوم النحر افضل اجماعاً واما هدى الاحصار فلايختص بايام النحر عند ابی حنيفة (مناسک ملاعلی القاری، ص ۳۹۵، فصل فی احكام الدماء وشرائط جوازها)

(قَوْلُهُ :وَخُصَّ ذَبْحُ هَدْیِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ بِيَوْمِ النَّحْرِ فَقَطُ وَالْكُلُّ بِالْحَرَمِ لَا بِفَقِيرِهِ) بَيَانٌ لِكَوْنِ الْهَدْیِ مُوَقَّتًا بِالْمَكَانِ سَوَاءٌ كَانَ دَمَ شُكْرٍ أَوْ جِنَايَةٍ لِمَا تَقَدَّمَ أَنَّهُ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى مِنْ النَّعَمِ إلَى الْحَرَمِ، وَأَمَّا تَوْقِيتُهُ بِالزَّمَانِ فَمَخْصُوصٌ بِهَدْیِ الْمُتْعَةِ وَالْقِرَانِ، وَأَمَّا بَقِيَّةُ الْهَدَايَا فَلَا تَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ، وَأَفَادَ أَنَّ هَدْیَ التَّطَوُّعِ إذَا بَلَغَ الْحَرَمَ لَا يَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ، وَهُوَ الصَّحِيحُ، وَإِنْ كَانَ ذَبْحُهُ يَوْمَ النَّحْرِ أَفْضَلَ كَمَا ذَكَرَهُ الشَّارِحُ خِلَافًا لِلْقُدُورِیِّ، وَأَرَادَ الْمُصَنِّفُ بِيَوْمِ النَّحْرِ وَقْتَهُ، وَهُوَ الْأَيَّامُ الثَّلَاثَةُ، وَأَرَادَ بِالِاخْتِصَاصِ الِاخْتِصَاصَ مِنْ حَيْثُ الْوُجُوبُ عَلَى قَوْلِ أَبِی حَنِيفَةَ، وَإِلَّا لَوْ ذَبَحَ بَعْدَ أَيَّامِ النَّحْرِ أَجْزَأَ إلَّا أَنَّهُ تَارِكٌ لِلْوَاجِبِ، وَقَبْلَهَا لَا يُجْزِءُ بِالْإِجْمَاعِ، وَعَلَى قَوْلِهِمَا كَذَلِكَ فِی الْقَبْلِيَّةِ، وَكَوْنُهُ فِيهَا هُوَ السُّنَّةُ عِنْدَهُمَا حَتَّى لَوْ ذَبَحَ بَعْدَ التَّحَلُّلِ بِالْحَلْقِ لَا شَیْءَ عَلَيْهِ، وَعِنْدَهُ عَلَيْهِ دَمٌ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج۳،ص۷۷، كِتَابُ الْحَجِّ،بَابُ الْهَدْیِ)

بخلاف الأضحية فإن الوقت قد جعل جزء ا من مفهومها فلزم اعتبارهو نظير ذلک ما لو نذر هدى شاة فإنهم قالوا إنما يخرجه عن العهدة ذبحها فی الحرم والتصدق بها هناک مع أنهم قالوا لو نذر التصدق بدرهم على فقراء مكة له التصدق على غيرهم، وما ذاک إلا لكون الهدى اسما لما يهدى إلى مكة ويتصدق به فيها

فقد جعل المكان جزء ا من مفهومه كالزمان فی الأضحية فإذا تصدق به فی غير مكة لم يأت بما نذره(رد المحتار على الدر المختار، ج٦،ص۳۲۳، كتاب الأضحية)

ہوں یا نہیں۔

اور اگر خاص قربانی مراد لی جائے اور کسی باہر کے شخص نے بالفرض اپنی قربانی حرم میں کرائی ہو، تو اولاً تو ضروری نہیں کہ ہمیشہ حرم اور دوسرے تمام قربانی کرانے والوں کے مقامات میں تاریخوں کا تفاوت رہا ہو، یا تمام قربانیاں ایسے وقت میں کی گئی ہوں کہ مقامِ مضحی میں وقت شروع نہ ہوا ہو، یا ختم ہو چکا ہو۔

دوسرے سب قربانی کرانے والے موکلوں کا ایسے مقامات پر ہونا ضروری نہیں کہ جن کے طلوع وغروب کے اوقات کا مکہ مکرمہ سے غیر معمولی تفاوت پایا جاتا ہو، خصوصاً جبکہ وہ مقامات کہ جو آج کے دور میں قریب سمجھے جاتے ہیں، اور چند گھنٹوں میں سفر کر کے وہاں پہنچا جاسکتا ہے، گزشتہ زمانوں میں وہ بہت دور شمار ہوتے تھے، اور اتنی دور مقامات پر رابطے بھی سہل نہ تھے، اور کئی کئی ماہ کے سفر طے کر کے وہاں پہنچا جاسکتا تھا، ایسے دور دراز کے لوگوں کا وہاں قربانی کرانے کا رواج بہت کم تھا، بلکہ اصل عمل امت میں جو تواتر کے ساتھ جاری ہے، وہ اپنے اپنے مقامات پر اپنی اضحیۃ کو ذبح کرنے کا رہا ہے، پھر تواتر اس کے خلاف کہاں سے ہو گیا؟ لہٰذا مختلف احتمالات کی بنیاد پر تمام ہدیوں کے ضیاع اور تواتر کے خلاف ہونے کا شبہ کرنا درست نہیں۔

تیسرے زمانۂ قدیم میں دور دراز علاقوں کے اوقات اور تواریخ کے تفاوت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پابندی میں حرجِ عظیم تھا، جیسا کہ زمانۂ قدیم میں ایک جگہ کی شہادت کا دوسرے مقام پر پہنچنا متعذر تھا، اور قرب وجوار کے علاقوں میں بھی (آج کے دور کے مقابلہ میں) تواریخ مختلف ہو جاتی تھیں، اور دوسری جگہ کی رؤیت کی شہادت بعض اوقات قربانی کرنے کے بعد موصول ہوتی تھی۔

لہٰذا ایسی صورت میں ان قربانیوں کو درست قرار دیا جائے گا، فقہائے کرام کی عبارات میں اس طرح کے نظائر موجود ہیں کہ قربانی کے بعد وقتِ اضحیۃ کا غیر وقتِ اضحیۃ معلوم

www.idaraghufran.org

ہونے کی صورت میں قربانی کو درست قرار دیا گیا ہے، فکذا ھٰذا۔ [1]

برخلاف آج کے دور کے؛ کہ آج کے دور میں بروقت بلکہ قبل از وقت مختلف مقامات کے اوقات وتواریخ کا پتہ چلانا متعذر نہیں، چنانچہ طلوعِ فجر اور غروب وغیرہ کے اوقات تو مختلف ذرائع سے بآسانی کسی بھی وقت معلوم کئے جاسکتے ہیں، خواہ ابھی ایامِ اضحیة بھی شروع نہ ہوئے ہوں، اور تاریخوں کا تفاوت انتیس یا تیس ذی القعدہ کو عام طور پر معلوم ہوجاتا ہے، جبکہ ابھی ایامِ اضحیة میں ہفتہ عشرہ کا فاصلہ موجود ہوتا ہے۔

لہٰذا موجودہ دور میں دونوں مقامات کے لحاظ سے اوقات کی پابندی کا بآسانی لحاظ ہوسکتا ہے، اور وسیعُ الظرف وقت میں بآسانی قربانی کو دونوں مقامات کے اوقات کی رعایت ملحوظ رکھ کر

---

[1] إذا وقفوا فی يوم وشهد الشهود أن ذلک اليوم يوم النحر أجزأهم استحسانا ا هـ (قوله :وجه الاستحسان أن هذه شهادة على النفی) أی لأن معناها أنهم لم يحجوا أو فات عنهم الوقوف فلا تسمع الشهادة ؛ لأن التدارک ليس بممكن وليس فيه إلا إيقاع الفتنة .ا هـ .أتقانی (حاشية الشلبی على التبيين، ج٢ص ٩٢، کتاب الحج، مسائل منثوره)

لو شهدوا أنه يوم العيد عند الإمام يصلی بالناس العيد ثم ضحوا ثم بان أنه يوم عرفة أجزأهم الصلاة والتضحية كما فی التنوير (مجمع الانهر، ج٢ص١٨ ٥، کتاب الاضحية)

قال الراقم :والذی يظهر أن الأئمة لم ينقل عنهم الاقول عدم العبرة للاختلاف مطلقاًمن غيرفرق بين قرب وبعدومن غيرتفصيل، وانما المنقول عنهم قول اجمالی ،ومنشأذلک ان طی مسافة بعيدة يختلف فی مثلهامطلع الهلال ماكان يمكن فی شهرواحد ،نظراًالی نظام المواصلات فی ذلک العهد،ونظراًالی النظام المعهودفی قطع المسافة عند ذلک ،فماكان يمكن أن يرى رجل الهلال ثم يصل قبل تمام الشهرالی بلديختلف مطالعه فكان الحكم هواللزوم بالوجه الشرعی وعدم العبرة للأختلاف ،فجاء قول عدم العبرة من هذه الجهة،وظاهرأن نفس اختلاف المطالع الشرقية والغربية لم يكن ليخفی على مثل الأئمة حكماء الأمة ،ثم اذاجاء من بعدهم فوسعوا دائرة قولهم الی مالم يريدوه ،واخذواقولهم بأوسع معنی الكلمة عاماً فی كل مطلع .وأرى أن هذاغيرملائم ، ولابدأن يراعی تلک الظروف المحيطة والأحوال المحاطة والأغراض الدائرة فی الباب،وليس الجمودعلى الظاهرمن باب التفقه فی مثل هذاأصلاً (معارف السنن جلد٥، صفحه٣٣٩،تحقيق اعتباراختلاف المطالع)

www.idaraghufran.org

انجام دیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس کی اہمیت ہو، اور قربانی کے نماز کی طرح عباداتِ موقتہ اور قربتِ غیر معقولہ ہونے پر نظر ہو، اور اسے دوسری عبادات اور اس سے بڑھ کر عباداتِ غیر موقتہ پر قیاس نہ کیا جائے، اور اگر خود ہی ان چیزوں کی اہمیت کو نظر انداز کیا جائے، اور اس کے خلاف زورِ قلم صرف کر کے تشہیر و تبلیغ کی جائے، تو پھر عوام سے ان چیزوں کی رعایت کی کیا توقع رکھی جاسکتی ہے؟

پس ہمارے نزدیک قربانی کی شرعی و فقہی اعتبار سے صحیح اور سلامتی و عافیت والی بے غبار صورت یہ ہے کہ مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ دونوں میں دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے لے کر بارہ ذی الحجہ کے غروب کے درمیانی وقت کا لحاظ کیا جائے، اور مقامِ اضحیہ کوئی شہر ہے، تو وہاں دس ذی الحجہ کو عید کی نماز ہونے کا بھی لحاظ کیا جائے۔

فقط

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم، وعلمہٗ اتم واحکم

محمد رضوان خان

27/شعبان المعظم/1432ھ 30/جولائی/2011ء بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

# اہلِ علم حضرات کی آراء

## مولانا مفتی سید حسین احمد صاحب زیدہ مجدہٗ

(دارالافتاء: جامعہ دارالعلوم کورنگی، کراچی)

درجِ بالا مضمون مولانا مفتی سید حسین احمد صاحب زیدہ مجدہٗ (دارالعلوم کراچی) کی خدمت میں ای میل کے ذریعہ سے نظرِ ثانی اوران کی رائے حاصل کرنے کے لئے ارسال کیا گیا، جس کا موصوف زید مجدہٗ نے درجِ ذیل جواب ارسال فرمایا۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

بندہ نے مفتی محمد رضوان صاحب کا رسالہ ’’شرائط التضحیة فی اوقات الاضحیة‘‘ مطالعہ کرلیا ہے، ماشاء اللہ مناسب تحریر ہے، بندہ اس سے متفق ہے۔

والسلام

سید حسین احمد

28/ربیع الآخر/1433ھ 22/مارچ/2012ء

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

## حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم

(صدر، جامعہ دارالعلوم کراچی)

محترم جناب مولانا رضوان صاحب (حفظہ اللہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ کا ارسال کردہ کتابچہ ’’شرائط التضحیة فی اوقات الاُضحیة‘‘ ملا، بہت خوشی

ہوئی۔

آپ نے اس سے متعلق کچھ تحریر کرنے کی فرمائش کی ہے، لیکن بندہ اپنی صحت جسمانی اور دیگر عوارض کی وجہ سے اس کا مطالعہ کر کے اپنی کوئی رائے پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت سے نوازے، اور آپ کو دنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ والسلام

محمد رفیع عثمانی عفی اللہ عنہ

رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی

## حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

(مفتی، دارالافتاء، جامعہ دارالعلوم کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب مفتی رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیریت ہوں گے!

التبلیغ کا علمی وتحقیقی سلسلہ نمبر ۲۱ بعنوان ”شرائط التضحیة فی اوقات الاُضحیة“ موصول ہوا، ابھی آپ کا رسالہ ”وصل الشعور بصورة الزور“ زیرِ غور ہے، اس کے بعد مذکورہ بالا رسالہ دیکھنے کا موقع مل سکے گا، اور چونکہ مصروفیت ایسی ہے کہ فرصت مشکل سے ملتی ہے، اس لیے اس میں تاخیر کا قوی امکان ہے۔

دعاؤں کی درخواست ہے۔ والسلام

بندہ عبدالرؤف سکھروی 14 / شعبان/ 1433ھ

(مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی)

www.idaraghufran.org

# حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی صاحب مدظلہم

(مدیر: دارالافتاء جمیلی، کرم آباد، وحدت روڈ، لاہور)

محترم المقام جناب مولانا مفتی رضوان صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ! طالب بخیر ہے۔

عرض آنکہ جناب کا مرسلہ رسالہ ''قربانی کی شرائط کی تحقیق'' کے بارے میں موصول ہوا۔

ذرہ نوازی کا شکریہ

ماشاءاللہ آپ نے تحقیق کا حق ادا کر دیا، اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین جزا عطا فرمادیں۔

عرض آنکہ جب یہ مسئلہ چلا تھا کہ قربانی افغانستان میں کرائی جائے تو احقر کے استاذ ومربی حضرت اقدس مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی اور حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہما کے درمیان خاصی گفتگو ہوئی۔ اور دونوں حضرات کی رائے گرامی بھی یہی تھی کہ مضحی اور محلِ اضحیۃ میں وقت کا ہونا ضروری ہے، اگر ایک جگہ وقت نکل چکا ہے، یا داخل ہی نہیں ہوا تو قربانی ادا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اپنے انہی اہلِ حق اکابر کے ساتھ رکھے۔ آمین۔ فقط          والسلام مع الاکرام محتاجِ دعاء۔

کتبہ: شیر محمد علوی سابق مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور

مدیر: دارالافتاء جمیلی کرم آباد، وحدت روڈ لاہور، ۲۸ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

# مولانا مفتی محمد معاذ صاحب زید مجدہٗ

(دارالافتاء دارالعلوم تدریس القرآن، النور ٹاؤن، تلہ گنگ روڈ، چکوال)

بخدمت جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

www.idaraghufran.org

اسعدک اللہ فی الدارین

جناب والا کی نئی کتاب ’’شرائط التضحیہ فی اوقات الاضحیۃ‘‘ ماشاء اللہ خوبصورت سرورق کے ساتھ موصول ہوئی، یادآوری کا شکریہ۔

مختلف حالات کی وجہ سے فی زماننا ایک ملک والوں کی قربانیاں دوسرے ممالک بھیجنے کا ماحول بن چکا ہے، اس لیے اس موضوع پر تحقیق کرنا اور اس مسئلہ کو عوامی سطح پر پھیلانا اس وقت کا تقاضا ہے، جبکہ اہل علم کی طرف سے اس مسئلہ پر اب تک کوئی زیادہ توجہ نہیں دی گئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو قبول فرما کر نافع بنادے۔

بندہ آپ کی اس تحقیق سے متفق ہے کہ مقامِ اضحیۃ اور مقام مضحی دونوں مقامات پر قربانی کا وقت موجود ہونا ضروری ہے۔............فقط والسلام مع الاحترام

محمد معاذ عفی اللہ تعالیٰ عنہ

14/ ذی الحجہ/1433ھ

دارالافتاء: دارالعلوم تدریس القرآن

النور ٹاؤن: تلہ گنگ روڈ، چکوال

---

## حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

(دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی)

---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی ومحترمی جناب مفتی رضوان صاحب زید مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیروعافیت ہوں گے۔

آپ کا رسالہ ’’شرائط التضحیۃ فی الاوقات الاضحیۃ‘‘ کا بغور مطالعہ کیا گیا۔

www.idaraghufran.org

اس میں اولاً قربانی کے سببِ وجوب، شرطِ وجوب اور شرطِ ادا سے متعلق مفصل اور مفید کلام کیا گیا ہے اور بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد رسالہ میں اختیار کردہ موقف کی تائید میں جامعہ دار العلوم کراچی، جامعہ بنوری ٹاؤن اور مدرسہ شاہی مراد آباد کے فتاویٰ کو ذکر کیا گیا ہے، ان کے بعد مقامِ مضحی اور مقامِ اضحیۃ کے اوقات متفاوت ہونے کی ممکنہ صورتیں اور ان کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

ان میں اکثر صورتیں تو درست معلوم ہوتی ہیں، لیکن تیسری صورت کے بارے میں شبہ ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہو چکا ہو، لیکن مقامِ اضحیۃ میں تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا، تو اراقۂ دم سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔

اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلم اور احوط اس صورت میں بھی یہی ہے کہ مضحی کے ہاں بھی قربانی کا وقت ہو اور مقامِ اضحیۃ میں بھی قربانی کا وقت ہو، لیکن اس صورت میں حتماً یہ کہنا کہ اگر مضحی کے ہاں وقت نہیں رہا، جبکہ مقامِ اضحیۃ میں قربانی کا وقت موجود ہے، ایسی صورت میں قربانی درست نہیں ہوگی، یہ محتاجِ نص ہے، جبکہ قرآن وحدیث اور فقہ میں ایسی کوئی واضح دلیل نہیں ملتی، بلکہ اصولی طور پر جواز اور عدمِ جواز دونوں کی طرف کچھ کچھ دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل دار الافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے جاری شدہ منسلکہ فتویٰ (۱/۱۰۲۳) میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، لہٰذا جب مضحی پر نفسِ وجوب ہو گیا ہو اور وہ اپنے وطن میں قربانی کا وقت گزر جانے کی وجہ سے وہاں قربانی نہ کر سکتا ہو، لیکن وہ دوسری جگہ وقت موجود ہونے کی صورت میں کسی کو وکیل بنا کر وہاں قربانی کرالے، تو اس کی قربانی کو درست قرار دینے کا احتمال موجود ہے، لہٰذا اس صورت میں قربانی کی عدمِ صحت کا حتمی حکم لگانا درست معلوم نہیں ہوتا۔

www.idaraghufran.org

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ایسا کرنا خلافِ احتیاط ہے۔

والسلام

بندہ عبدالرؤف سکھروی (مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی)

4/ ذوالقعدہ/ 1433ھ

## دارالعلوم کراچی کا منسلکہ فتوی

سوال...... جب دو ممالک میں قربانی کے ایام مختلف ہوں اور ان میں سے ایک ملک کا رہنے والا دوسرے ملک کے کسی شخص کو اپنی قربانی کا وکیل بنائے، تو کیا موکل کے ملک میں قربانی کے ایام شروع ہونے سے پہلے یا موکل کے ملک میں ایام قربانی ختم ہونے کے بعد وکیل اپنے موکل کی قربانی اپنے ملک میں کرسکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وکیل کے ملک میں قربانی کا وقت اس وقت موجود ہے، اور اگر کسی موکل نے اپنے ملک میں قربانی کے ایام ختم ہونے کے بعد وکیل کے ملک میں اپنی طرف سے قربانی کروائی ہو تو اس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ معتبر ہوگئی یا تصدق لازم ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً و مصلیاً

صورت مسئولہ میں موکل کے ملک میں قربانی کے ایام شروع ہونے سے پہلے وکیل کے ملک میں موکل کی طرف سے قربانی کرنا درست نہیں، کیونکہ قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب ''وقت'' ہے، جو دس ذی الحجہ کے طلوعِ صبحِ صادق سے شروع ہو کر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ہے، اور نفسِ وجوب کا تعلق ذمۂ مکلّف سے ہوتا ہے، اور ''ذمہ'' کا محل مکلّف ہے، لہٰذا نفسِ وجوب میں مکلّف کے محل کا اعتبار ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں مؤکل (مضحّی) رہ رہا ہے وہاں ''وقت'' شروع ہو چکا ہو، اگر وہاں ''وقت'' شروع ہی نہ ہوا ہو، تو اس کی طرف سے قربانی کرنا نفسِ وجوب سے پہلے ادا کرنا لازم آئیگا، اور وجوب سے پہلے اداء کا اعتبار

www.idaraghufran.org

نہیں، اس لیے مؤکل کے ملک میں قربانی کے ایّام شروع ہونے سے پہلے اس کی طرف سے قربانی کرنا شرعاً معتبر نہیں ہوگا (مأخذہ: تبویب ۱/۳۹۳)

مؤکل کے ملک میں قربانی کے ایام گزر جانے کے بعد وکیل کے ملک میں جبکہ وکیل کے ملک میں قربانی کے ایام موجود ہوں، مؤکل کی طرف سے قربانی کرنے سے متعلق کوئی صریح جزئیہ حضراتِ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات میں نہیں ملا، البتہ اصولی طور پر جواز اور عدم جواز دونوں کے کچھ نہ کچھ دلائل موجود ہیں، جواز کی وجوہات یہ معلوم ہوتی ہیں کہ:

**الف**...... بدائع الصنائع ، کتاب الاضحیۃ میں مؤکل کی طرف سے وکیل کے شہر میں نمازِ عید سے پہلے قربانی کے عدمِ جواز کو بیان کرتے ہوئے حضرات صاحبین رحمہما اللہ کی یہ دلیل مذکور ہے کہ:

**ان القربة فی الذبح و القربات المؤقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها الا فی حق المفعول عنه**

یعنی قرباتِ موقتۃ میں فاعل کے ہاں کے وقت کا اعتبار ہے، مفعول عنہ کے ہاں کے وقت کا اعتبار نہیں۔

یہ اصول اگرچہ وکیل کے شہر میں نمازِ عید سے پہلے قربانی کرنے کے مسئلہ کے سیاق میں بیان ہوا ہے لیکن کے اس کے الفاظ عام ہیں، اس عموم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مؤکل (مفعول عنہ) کے ملک میں ایّامِ قربانی گزر جانے کے باوجود وکیل (فاعل) کے ملک میں مؤکل کی طرف سے قربانی جائز ہونی چاہیے (دیکھئے عبارت نمبر: 1)

یہ بات واضح رہے کہ حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے مذکورہ اصول سے یہ مسئلہ اخذ کرنا درست نہ ہوگا کہ جب مفعول عنہ کے ہاں کے وقت کا اعتبار نہیں تو مفعول عنہ کے ہاں ایامِ نحر شروع ہونے سے پہلے اس کی طرف سے قربانی کرنا درست ہونا چاہیے؟

درست نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نفسِ وجوب کے لیے وقتِ اضحیۃ سبب ہے اور جب تک

www.idaraghufran.org

نفسِ وجوب کا سبب متحقق نہیں ہوگا، اس وقت تک وجوب متحقق نہ ہوگا، اور نفسِ وجوب کا تعلق ذمۂ مکلّف سے ہے، اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، لہٰذا نفسِ وجوب کے لیے مکلّف (یعنی صورت مسئولہ میں مفعول عنہ) کے محل کا اعتبار ہوگا، اور جب تک مکلّف (مفعول عنہ) کے ہاں نفسِ وجوب کا سبب یعنی ایامِ نحر متحقق نہ ہونگے اس وقت تک اس کی طرف سے قربانی کرنا معتبر نہ ہوگا۔

**ب**...... مؤکل کے حق میں نفسِ وجوب کا سبب یعنی ''وقتِ اضحیة'' متحقق ہوگیا ہے اور وکیل کے ملک میں جہاں قربانی کا جانور ہے وہاں وقتِ اضحیة باقی ہے، اور اداء میں مکانِ اضحیة کا اعتبار ہے، کیونکہ ''اداء'' فعل ہے اور فعل کا محل مال ہے جو بابِ اضحیة میں قربانی کا جانور ہے، لہٰذا اس وجہ سے بھی وکیل کے ملک میں قربانی درست ہونی چاہیے (دیکھئے عبارت نمبر 1، 2، 3، 4، 5)

(اگرچہ جن عبارات سے مطلقاً اداء میں مکان اضحیة کا اعتبار ہونا مفہوم ہوتا ہے، ان میں دوسرے مفہوم کا بھی احتمال ہے اور وہ یہ کہ مکان اضحیة کے اعتبار کا تعلق مطلقاً اداء سے نہ ہو، بلکہ صرف مصری اور سوادی کے وقتِ اضحیة میں جو فرق ہے، اس سے ہو)

**ج**...... قربانی میں اصل واجب اراقةُ الدم ہے، لہٰذا جب تک اراقةُ الدم ممکن ہو اس وقت تک ''تصدق'' کا حکم نہیں لگنا چاہیے، اور بذریعہ وکالت دوسرے ملک میں اراقةُ الدم ممکن ہے (دیکھئے عبارت نمبر 6)

ان وجوہات کی وجہ سے مؤکل کے ملک میں قربانی کے ایام گزر جانے کے باوجود وکیل کے ملک میں مؤکل کی طرف سے قربانی کرنا درست معلوم ہوتا ہے۔

عدمِ جواز کی بنیادی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ قربانی کے ایام شرعاً تین دن ہیں، مؤکل کے ملک میں تینوں دن گزر جانے کے بعد اب قربانی خود مؤکل کے لیے مشروع نہیں رہی، اور بطورِ قربانی جانور ذبح کرنے کا حکم اس سے ساقط ہوگیا، اور تصدق واجب ہوگیا، اس لیے اب اگر وکیل اپنے ملک میں اس کی طرف سے قربانی کرلے تب بھی قربانی اداء نہیں ہونی

www.idaraghufran.org

چاہیے (دیکھئے عبارت نمبر 7، 8، 9، 10)

خلاصہ یہ کہ اس مسئلہ میں جواز اور عدمِ جواز دونوں احتمالات ہیں اور کتبِ فقہ میں تلاشِ بسیار کے باوجود کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، اور مسئلہ قربانی جیسی عبادت سے متعلق ہے جو غیر مدرک بالقیاس ہے، لہٰذا قربانی کو مشکوک ہونے سے بچانے کے لیے احتیاط اس میں ہے کہ وکیل کے ملک میں جب قربانی کی جائے تو مؤکل کے ملک میں بھی قربانی کا دن موجود ہو۔

تاہم اگر کسی مؤکل نے جواز والی وجوہات کی بنیاد پر وکیل کے ملک میں قربانی کروادی ہے، تو اس کو بھی غیر معتبر قرار نہیں دیا جائیگا (لوجود الاحتمال فی نصوص الفقہاء رحمہم اللہ) لیکن اس کے باوجود تصدق کردینے میں احتیاط ہے۔

(1)...... فی بدائع الصنائع ج۴ ص ۲۱۱

وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز إقامة الواجب کوقت الصلاة، فلا یجوز لأحد أن یضحی قبل طلوع الفجر الثانی من الیوم الأول من أیام النحر ویجوز بعد طلوعه سواء کان من أهل المصر أو من أهل القری، غیر أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن یکون بعد صلاة العید، لا یجوز تقدیمها علیه عندنا.

فإن کان هو فی المصر والشاة فی الرستاق أو فی موضع لا یصلی فیه وقد کان أمر أن یضحوا عنه فضحوا بها بعد طلوع الفجر قبل صلاة العید فإنها تجزیه، وعلی عکسه لو کان هو فی الرستاق والشاة فی المصر وقد أمر من یضحی عنه فضحوا بها قبل صلاة العید فإنها لا تجزیه وإنما یعتبر فی هذا مکان الشاة لا مکان من علیه، هکذا ذکر محمد -علیه الرحمة -فی النوادر وقال :إنما أنظر إلی محل الذبح ولا أنظر إلی موضع المذبوح عنه، وهکذا روی الحسن عن أبی یوسف -رحمه الله :-یعتبر المکان الذی یکون فیه الذبح ولا یعتبر المکان الذی یکون فیه المذبوح عنه، وإنما کان کذلک؛ لأن الذبح هو القربة فیعتبر مکان فعلها لا مکان المفعول عنه.

وإن کان الرجل فی مصر وأهله فی مصر آخر فکتب إلیهم أن یضحوا عنه روی عن أبی یوسف أنه اعتبر مکان الذبیحة فقال :ینبغی لهم أن لا یضحوا عنه حتی یصلی الإمام الذی فیه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن یصلی لم یجزه، وهو قول محمد -علیه الرحمة - وقال الحسن بن زیاد :انتظرت الصلاتین جمیعا وإن شکوا فی وقت صلاة المصر الآخر انتظرت به الزوال فعنده لا یذبحون عنه حتی یصلوا فی المصرین جمیعا، وإن وقع لهم الشک فی وقت صلاة المصر الآخر لم یذبحوا حتی تزول الشمس فإذا زالت ذبحوا عنه.

(وجه) قول الحسن أن فیما قلنا اعتبار الحالین حال الذبح وحال المذبوح عنه فکان

أولی ولأبی یوسف ومحمد رحمهما الله أن القربة فی الذبح، و القربات المؤقتة يعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه

(2)...... فی الهداية ج۴ص ۴۴۵

وقت الأضحية يدخل بطلوع الفجر من يوم النحر، إلا أنه لا يجوز لأهل الأمصار الذبح حتى يصلی الإمام العيد، فأما أهل السواد فيذبحون بعد الفجر.

حتی لو كانت فی السواد والمضحی فی المصر يجوز كما انشق الفجر، ولو كان علی العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة.

لأنها تشبه الزكاة من حيث أنها تسقط بهلاک المال قبل مضی أيام النحر كالزكاة بهلاک النصاب فيعتبر فی الصرف مكان المحل لا مكان الفاعل اعتبارا بها، بخلاف صدقة الفطر لأنها لا تسقط بهلاک المال بعدما طلع الفجر من يوم الفطر.

(3)......و فی الكفاية (۸ص ۴۳۱)

(قوله فيعتبر فی الصرف) ای فی الاراقة مكان المحل ای المال لا مكان الفاعل اعتبارا بالزکوٰة بخلاف صدقة فطر لانها لا وتسقط بهلاک المال بعد ما طلع الفجر من يوم الفطر فكان محلها الذمة فاعتبرنا فيها مكان المؤدی لامكان الولد و الرقيق علی ما عليه الفتویٰ.

(4)...... و فی فتاویٰ قاضيخان (ج۳ص ۳۴۵)

و لو كان هو فی مصر وقت الأضحية و أهله فی مصر آخر فكتب إلی الأهل و أمرهم بالتضحية فی ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية.

(5)...... وفی البحر الرائق(ج۸ص ۳۲۱)

والمعتبر فی ذلک مكان الأضحية حتی لو كانت فی السواد، والمضحی فی المصر يجوز كما انشق الفجر، وفی العكس لا يجوز إلا بعد الصلاة.

ولأنها تشبه الزكاة فيعتبر فی الأداء مكان المحل وهو المال لا مكان الفاعل بخلاف صدقة الفطر حيث يعتبر فيها مكان الفاعل لأنها تتعلق بالذمة والمال ليس بمحل لها.

(و هكذا فی الشامية ج۶ص ۳۱۸، والطحاوی علی الدر ج۴ص ۱۶۳، و البزازية ج۶ص ۲۸۹)

(6)...... و فی الدر المختار (ج۶ص ۳۲۰)

و لو تركت التضحية و مضت ايامها تصدق بها حية.

(قوله ومضت أيامها إلخ) قيد به لما فی النهاية :إذا وجبت بإيجابه صريحا أو بالشراء لها، فإن تصدق بعينها فی أيامها فعليه مثلها مكانها، لأن الواجب عليه الإراقة وإنما ينتقل إلی الصدقة إذا وقع اليأس عن التضحية بمضی أيامها.

(قوله تصدق بها حية) لوقوع الياس عن التقرب بالاراقة)

(7)...... و فی المبسوط للسرخسی (۱۲ ص ۹)

ثم يختص جواز الأداء بأيام النحر وهی ثلاثة أيام عندنا قال -عليه الصلاة والسلام -أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها .فإذا غربت الشمس من اليوم الثالث لم تجز التضحية بعد

ذلک.

(8)...... و فی بدائع الصنائع(ج۴ص۱۹۸)

اما وقت الوجوب فایام النحر فلا تجب قبل دخول الوقت لان الواجبات الموقتة لا تجب قبل اوقاتها کاالصلاة و الصوم و نحوهما و ایام النحر ثلاثة .

(9)......و فیه ایضاً(ج۴ص۲۰۲)

فإذا لم يؤد فی الوقت بقی الوجوب فی غیره لقيام المعنى الذی له وجبت فی الوقت.

وأما الثانی فنقول إنها لا تقضى بالإراقة؛ لأن الإراقة لا تعقل قربة وإنما جعلت قربة بالشرع فی وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص فلا تقضى بعد خروج الوقت، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة.

(10)...... و فی الهداية (ج۴ص۴۴۶)

وهی جائزة فی ثلاثة أيام :يوم النحر ويومان بعده.

ولنا ما روی عن عمر وعلی وابن عباس رضی الله عنهم أنهم قالوا :أيام النحر ثلاثة أفضلها أولها وقد قالوه سماعا لأن الرأی لا يهتدى إلى المقادير.

ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر إن كان أوجب على نفسه أو كان فقيرا وقد اشترى الأضحية تصدق بها حية وإن كان غنيا تصدق بقيمة شاة.

والله سبحانه و تعالیٰ اعلم

محمد یعقوب عفا الله عنه

دار الافتا جامعه دار العلوم کراچی

۱۴۲۹/۱/۲۶

| | | |
|---|---|---|
| الجواب صحیح | الجواب صحیح | الجواب صحیح |
| جزی اللہ تعالیٰ المجیب خیراً | بندہ عبدالمنان عفی عنی | بندہ عبدالرؤف سکھروی |
| بندہ محمود اشرف غفراللہ | ۱۴۲۹/۱/۲۷ | ۱۴۲۹/۱/۲۶ |
| ۱۴۲۹/۱/۲۶ | | |

جواب درست ہے کہ مؤکل پر نفسِ وجوب ہوئے بغیر وکیل کی طرف سے قربانی معتبر نہیں، لیکن اگر مؤکل کے شہر میں ایامِ اُضحیہ ختم ہو چکے ہیں، اور وکیل کے شہر میں باقی ہیں، اور وہ مؤکل کی طرف سے قربانی کرتا ہے، تو اس میں جواز و عدمِ جواز دونوں احتمالات ہیں، اور

جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وکیل نے جب اپنے ایامِ اُضحیہ میں قربانی کی نیت سے ذبح کیا، تو وہ قربانی تو ہوئی، اور مؤکل کی طرف سے ہوئی، عدمِ جواز کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہنا ہوگا کہ یہ تطوع ہوا، اور واجب اس سے ساقط نہ ہوا، لیکن جب تطوّع اور وجوب میں تعارض ہو، تو فراغ کے ذمہ کی جانب راجح ہوتی ہے، لیکن چونکہ احتمال دوسرا بھی ہے، اس لیے احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴۲۹/۱/۲۶

# عرض داشت

(مفتی محمد رضوان خان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معظّمی و محترمی جناب حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب مدظلہم

آنجناب بندہ کے مضامین پر وقتاً فوقتاً غور فرما کر اپنی رائے عالی سے آگاہ فرماتے رہتے ہیں، جس پر بندہ جناب کا بہت شکر گزار ہے، فجزاکم اللہ تعالٰی خیر الجزاء۔

بندہ کے مضمون ''شرائط التضحیة فی اوقات الاضحیة'' پر ابھی آنجناب کی تازہ رائے موصول ہوئی، اور ساتھ ہی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی کا منسلکہ فتویٰ بھی موصول ہوا، جس کو بندہ نے ملاحظہ کیا۔

آنجناب نے اپنے مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''ان میں اکثر صورتیں تو درست معلوم ہوتی ہیں، لیکن تیسری صورت کے بارے میں شبہ ہے، اور وہ صورت یہ ہے کہ مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہو چکا ہو، لیکن مقامِ اضحیة میں تیسرے دن کا

سورج غروب نہیں ہوا، تو ارقۂ دم سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔

اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلم اور احوط اس صورت میں بھی یہی ہے کہ مضحی کے ہاں بھی قربانی کا وقت ہو اور مقامِ اضحیۃ میں بھی قربانی کا وقت ہو، لیکن اس صورت میں حتماً یہ کہنا کہ اگر مضحی کے ہاں وقت نہیں رہا جبکہ مقامِ اضحیۃ میں قربانی کا وقت موجود ہے ایسی صورت میں قربانی درست نہیں ہوگی، یہ محتاجِ نص ہے، جبکہ قرآن وحدیث اور فقہ میں ایسی کوئی واضح دلیل نہیں ملتی، بلکہ اصولی طور پر جواز اور عدمِ جواز دونوں کی طرف کچھ کچھ دلائل موجود ہیں، جن کی تفصیل دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی سے جاری شدہ منسلکہ فتویٰ (۱/۱۰۲۳) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، لہٰذا جب مضحی پر نفسِ وجوب ہوگیا ہو اور وہ اپنے وطن میں قربانی کا وقت گزر جانے کی وجہ سے وہاں قربانی نہ کرسکتا ہو، لیکن وہ دوسری جگہ وقت موجود ہونے کی صورت میں کسی کو وکیل بنا کر وہاں قربانی کرالے، تو اس کی قربانی کو درست قرار دینے کا احتمال موجود ہے، لہٰذا اس صورت میں قربانی کی عدمِ صحت کا حتمی حکم لگانا درست معلوم نہیں ہوتا۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ ایسا کرنا خلاف احتیاط ہے''۔انتھٰی۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ عرض ہے کہ اس پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر سے پہلے قربانی کا وقت شروع نہیں ہوتا۔

پھر جمہور فقہائے کرام کے نزدیک شہر اور گاؤں والوں کی تفریق کے بغیر علی الاطلاق دس ذی الحجہ کے سورج طلوع ہونے سے پہلے قربانی کا وقت شروع نہیں ہوتا، مگر اس کے بعد نمازِ عید سے فراغت کے شرط ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے، لیکن اہلِ شہر

www.idaraghufran.org

کے حق میں جہاں کہ عید کی نماز ہوتی ہو وہاں فی الجملہ عید کی نماز کا ہونا شرط ہے۔ [1]

اور کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر شروع ہوجاتا ہے، تو اس وقت کو مشائخِ اصولیّینِ حنفیہ نے سببِ وجوب قرار دیا ہے، جس کی انتہاء بارہ ذی الحجہ کے سورج غروب ہونے پر ہوتی ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کے جائز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی طرح عید کی نماز کے صحیح اور واجب ہونے کے لیے حقیقی یا حکمی شہر ہونا ضروری ہے، اور عام گاؤں دیہات میں عید کی نماز کا حکم نہیں ہے، جس کے پیشِ نظر فقہائے احناف نے فرمایا کہ اس شرط کا تعلق ہر مقام اور ہر جگہ کی اضحیة ومضحی سے

---

[1] فرع: فی مذاهب العلماء فی وقت الأضحية مذهبنا أنه يدخل وقتها إذا طلعت الشمس يوم النحر ثم مضى قدر صلاة العيد وخطبتين كما سبق فإذا ذبح بعد هذا الوقت أجزأه سواء صلى الإمام أم لا وسواء صلى المضحى أم لا وسواء كان من أهل الأمصار أو من أهل القرى أو البوادى أو المسافرين وسواء ذبح الإمام ضحيته أم لا. هذا مذهبنا وبه قال داود وابن المنذر وغيرهما.

وقال عطاء وأبو حنيفة يدخل وقتها فى حق أهل الأمصار إذا صلى الإمام وخطب فمن ذبح قبل ذلک لم يجزه قال وأما أهل القرى والبوادى فوقتها فى حقهم إذا طلع الفجر الثانى .

وقال مالک لا يجوز ذبحها إلا بعد صلاة الإمام وخطبتيه وذبحه.

وقال أحمد لا يجوز قبل صلاة الإمام ويجوز بعدها قبل ذبح الإمام وسواء عنده أهل القرى والأمصار ونحوه عن الحسن البصرى والأوزاعى وإسحاق بن راهويه.

وقال سفيان الثورى يجوز ذبحها بعد صلاة الإمام قبل خطبته وفى حال خطبته.

قال ابن المنذر وأجمعوا على أنها لا يصح ذبحها قبل طلوع الفجر يوم النحر(المجموع شرح المهذب، ج۸ص ۳۸۹، باب الاضحية )

س :متى يدخل وقت الأضحية؟

ج :يدخل وقتها للإمام بفراغ صلاته وخطبته، ولغير الإمام بفراغ الإمام من ذكاة أضحيته، أو قدر ذلک إن لم يذبح الإمام وينقضى بغروب شمس اليوم الثالث(خلاصة الجواهر، ج ا ص ۴۳، باب الاضحية )

وقت الأضحية :يرى الجمهور أن وقت الأضحية للبدو كوقته للحضر، وخالف فى ذلک الحنفية حيث قالوا :لما كانت لا تجب على البدو صلاة العيد، فإنه يجوز لهم أن يذبحوا أضاحيهم بعد طلوع الفجر الصادق من يوم العيد، فى حين لا يجوز لأهل الحضر أن يذبحوا أضاحيهم إلا بعد صلاة العيد؛ لأن صلاة العيد واجبة عليهم.(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۸ص ۴۶، ماده: بدو)

www.idaraghufran.org

نہیں ہوگا، بلکہ اسی مقام سے ہوگا، جہاں کہ عید کی نماز مشروع ہوگی، اور جہاں عید کی نماز کا حکم نہیں ہوگا، وہاں عید کی نماز کا ہونا شرط نہیں ہوگا۔

اور جب حنفیہ کے نزدیک شہر و دیہات میں مذکورہ فرق ہوا، تو فقہائے احناف کے درمیان یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ اگر مضحّی اور اضحیۃ کے مقامات شہر اور گاؤں کے اعتبار سے متفاوت ہوں تو آیا مضحّی کے مقام کا اعتبار ہوگا یا اضحیۃ کے مقام کا؟ اور بالفاظِ دیگر کسی ایک مقام پر طلوعِ فجر کافی ہوگا، یا طلوعِ فجر کے ساتھ ساتھ نمازِ عید کا ہونا بھی شرط ہوگا۔

اس صورت میں حنفیہ نے مقامِ اضحیۃ کا اعتبار ہونے کو ترجیح دی، جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ تو قربانی کا وقت دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر پر شروع ہو جاتا ہے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عید سے پہلے اضحیۃ کو معتبر نہیں قرار دیا، جس سے معلوم ہوا کہ اس اضافی شرط کا تعلق اضحیۃ سے ہے۔

اگر حنفیہ کے نزدیک شہر اور دیہات والوں کے حق میں مذکورہ فرق نہ ہوتا، تو شاید مضحی اور اضحیۃ کا وقت معتبر ہونے نہ ہونے اور اوقات کے متفاوت ہونے کا یہ مسئلہ زیرِ بحث ہی نہ آتا، اسی لیے دیگر فقہائے کرام کی کتبِ فقہ میں عام طور پر اس کا ذکر نہیں پایا جاتا۔

لہٰذا شہر و دیہات کے مذکورہ مسئلہ تک تحدید کے بجائے اس قسم کی عبارات یا ان کی مجمل تفصیلات سے علی الاطلاق یہ سمجھ لینا کہ بہرحال مقامِ اضحیۃ کا اعتبار ہوگا، خواہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب بھی متحقق نہ ہوا ہو، یہ غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوا، کیونکہ فقہائے کرام کی ان عبارات کا تعلق سببِ وجوب شروع ہونے کے بعد ایک اضافی شرطِ ادا سے ہے، جس کا تعلق مخصوص مقام یعنی شہر سے ہے۔

اور یہ بات بھی حنفیہ کے اصولِ فقہ کی رُو سے طے شدہ ہے کہ قربانی کا وقت نماز کے وقت کی طرح سببِ وجوب ہے، جس کا آغاز دس ذی الحجہ کی طلوع فجر پر اور انتہاء بارہ ذی الحجہ کے غروبِ شمس پر ہوتی ہے، اور یہ بات آنجناب کو بھی مسلم ہے، چنانچہ دارالعلوم کراچی کے منسلکہ

www.idaraghufran.org

فتویٰ کے شروع میں مذکور ہے کہ:

**الجواب حامداً ومصلیاً!**

’’صورتِ مسئولہ میں موکل کے ملک میں قربانی کے ایام شروع ہونے سے پہلے وکیل کے ملک میں موکل کی طرف سے قربانی کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ قربانی کے نفسِ وجوب کا سبب وقت ہے، جو دس ذی الحجہ کے طلوعِ صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کے غروب آفتاب تک ہے، اور نفسِ وجوب کا تعلق ذمۂ مکلّف سے ہوتا ہے، اور ذمہ کا محل مکلّف ہے، لہٰذا نفسِ وجوب میں مکلف کے محل کا اعتبار ہوگا‘‘۔ انتہٰی۔

اوراس فتویٰ کی مذکورہ عبارت اوراس کی تعلیل سے جس طرح مضحی کے حق میں سببِ وجوب شروع ہوئے بغیر قربانی کا اداء نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح مضحی کے حق میں سببِ وجوب کے ختم ہوجانے کی صورت میں بھی قربانی کا اداء نہ ہونا، بلکہ قضا ہوجانا ثابت ہوتا ہے، کیونکہ قضا کا تعلق بھی حنفیہ کے مسلمہ قاعدہ کی رُو سے نفسِ وجوب کے ختم ہوجانے سے ہوتا ہے، جس کا تعلق ذمۂ مکلّف سے ہے، جس میں مکلّف کے محل کا اعتبار ہے۔

لہٰذا جس طرح مصلّی کے حق میں نماز وقت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں ہوتی، اسی طرح قربانی بھی مضحّی کے حق میں وقت داخل ہونے سے پہلے درست نہیں ہوتی، اور جس طرح مصلّی کے حق میں وقت ختم ہونے کے بعد نماز قضا ہوجاتی ہے، اسی طرح مضحّی کے حق میں بھی وقت ختم ہونے کے بعد قربانی قضا ہوجاتی ہے، جو حنفیہ کے نزدیک ’’اراقۃِ دَم‘‘ سے نکل کر تصدق میں تبدیل ہوجاتی ہے، البتہ ایک اصولی فرق یہ ہے کہ نماز کے عبادتِ بدنیہ ہونے کی وجہ سے اس میں نیابت اور وکالت درست نہیں، جبکہ قربانی کے مالی عبادت ہونے کی وجہ اس میں نیابت اور وکالت درست ہے۔

ورنہ اگر نماز میں نیابت درست ہوتی، تو جس طرح نماز کے سببِ وجوب اور اس کے اداء و

www.idaraghufran.org

قضاء ہونے کا تعلق مکلّف سے ہوتا، اسی طرح قربانی میں بھی مکلّف سے ہی تعلق ہوگا۔

اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ وکیل کا تصرف وفعل درحقیقت مؤکل کے تصرف وفعل کی طرح ہوتا ہے، اوراسی بنیاد پر مضحی کے حق میں سببِ وجوب شروع ہوئے بغیر قربانی درست نہیں ہوتی، کیونکہ اس وقت میں وکیل کا تصرف موکل کا تصرف کہلائے گا، اور موکل کے اس وقت ذبح کرنے سے فراغِ ذمہ نہیں ہوتا، لہٰذا وکیل کے اس وقت ذبح کرنے سے بھی فراغِ ذمہ نہ ہوگا۔ [1]

لہٰذا جس اصول اور قاعدہ کی رُو سے مضحّی کے حق میں سببِ وجوب شروع ہوئے بغیر قربانی کی وکالت اور نیابت کا فعل معتبر قرار نہیں دیا جاتا، اسی اصول اور قاعدہ کی رُو سے مضحّی کے حق سببِ وجوب ختم ہوجانے کے بعد قربانی کی وکالت اور نیابت کا فعل ادا نہیں کہلاتا، بلکہ قضاء کہلاتا ہے، کیونکہ سببِ وجوب کا تعلق مکلّف یعنی مضحّی سے ہے، اور یہ تعلق جس طرح ابتداء کے اعتبار سے ہے، اسی طرح بقا وانتہاء کے اعتبار سے بھی ہے۔

لہٰذا ایک اصول اور قاعدہ کی رُو سے ایک صورت کو حتماً ناجائز قرار دینا، اور اسی اصول سے ثابت

---

[1] أن تصرف الوكيل كتصرف الموكل، وكلام الرسول كلام المرسل (بدائع الصنائع، ج٢ ص ٢٣١، فصل ركن النكاح)

لأن فعل الوكيل كفعل الموكل (بدائع الصنائع، ج٥ص ١٥٠، كتاب البيوع، فصل فى الشرط الذى يرجع إلى المعقود عليه)

لأن فعل الوكيل كفعل الموكل بنفسه حين امتثل أمره (المبسوط للسرخسى، ج١٩ ص٩٧، كتاب الوكالة، باب الوكالة فى العتق والكتابة)

لأن فعل الوكيل كفعل الموكل (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦ ص ٦٩، التوكيل فى الاقرار، مادة"اقرار")

أن الوكيل قائم مقام الموكل (المحيط البرهانى، ج٧ص ٣٩، كتاب البيع، الفصل الثامن عشر :فى بيع الأب والوصى والقاضى مال الصبى وشرائهم له)

وكل ما يجوز للموكل أن يفعله جاز لوكيله أن يفعله (المبسوط للسرخسى، ج١٩ ص١٠٨، كتاب الوكالة، باب وكالة العبد المأذون والمكاتب)

فنقول :تصرف الوكيل حال بقاء الوكالة كتصرف الموكل بنفسه (المحيط البرهانى، ج٣ص٣٨، كتاب النكاح، الفصل الثامن فى الوكالة بالنكاح)

www.idaraghufran.org

شدہ دوسری صورت میں تأمل کا اظہار کرنا یہ تفریق درست معلوم نہیں ہوتی، لہٰذا یا تو دونوں صورتوں میں تأمل کا اظہار کرنا چاہیے، اور یا پھر دونوں صورتوں کو حتماً ناجائز قرار دینا چاہیے۔

آنجناب کا دوسری صورت کے بارے میں یہ فرمانا کہ:

''یہ محتاجِ نص ہے، جبکہ قرآن وحدیث اور فقہ میں ایسی کوئی واضح دلیل نہیں ملتی، بلکہ اصولی طور پر جواز اور عدمِ جواز دونوں کی طرف کچھ کچھ دلائل موجود ہیں''۔انتھٰی۔

اس بارے میں عرض ہے کہ آنجناب جس صورت کو بلا تأمل ناجائز سمجھتے ہیں، اور اس کو جس نص اور جس دلیل اور اصول سے مستنبط فرماتے ہیں، بعینہٖ اسی دلیل اور اصول سے مذکورہ صورت کا بھی ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، اور اگر پہلی صورت کے لیے قرآن، حدیث اور فقہ کی کوئی واضح دلیل نہیں پائی جاتی، تو اس دوسری صورت کے بارے میں بھی یہی سمجھنا چاہیے، اور پہلی صورت کے بارے میں بھی تأمل کا اظہار کرنا چاہیے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اصولی طور پر جواز اور عدمِ جواز دونوں کے دلائل موجود ہیں، تو اس بارے میں عرض ہے کہ ان دلائل کا تعلق اُن عبارات سے ہے، جو فقہائے کرام نے شہری ودیہاتی کے مسئلہ کو بیان کرتے وقت پیش کی ہیں، اور ان پر اصولی کلام اوپر گزر چکا ہے کہ اُن سے عموم اور اطلاق کا سمجھا جانا غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوا۔

چنانچہ اس ضمن میں دارالعلوم کراچی کے منسلکہ فتویٰ میں جس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے وہ بدائع الصنائع کی مندرجہ ذیل عبارت ہے، جس کے مختلف مسئلوں اور صورتوں کو ممتاز کرنے اور بعد میں آنے والے کلام کی افہام وتفہیم کی تسہیل کے لئے ہم نے نمبر شمار ڈال دیئے ہیں۔

(1)......وأما الذی یرجع إلی وقت التضحیة فهو أنها لا تجوز قبل دخول الوقت؛ لأن الوقت کما هو شرط الوجوب فهو شرط جواز

إقامة الواجب كوقت الصلاة.

(2)......فلا يجوز لأحد أن يضحى قبل طلوع الفجر الثانی من اليوم الأول من أيام النحر ويجوز بعد طلوعه سواء كان من أهل المصر أو من أهل القرى.

(3)......غير أن للجواز فی حق أهل المصر شرطا زائدا وهو أن يكون بعد صلاة العيد، لا يجوز تقديمها عليه عندنا(و بعد اسطر)

(4)......هذا إذا كان من عليه الأضحية فی المصر والشاة فی المصر.

(5)...... فإن كان هو فی المصر والشاة فی الرستاق أو فی موضع لا يصلی فيه وقد كان أمر أن يضحوا عنه فضحوا بها بعد طلوع الفجر قبل صلاة العيد فإنها تجزيه.

(6)......وعلى عكسه لو كان هو فی الرستاق والشاة فی المصر وقد أمر من يضحی عنه فضحوا بها قبل صلاة العيد فإنها لا تجزيه وإنما يعتبر فی هذا مكان الشاة لا مكان من عليه، هكذا ذكر محمد -عليه الرحمة -فی النوادر وقال :إنما أنظر إلى محل الذبح ولا أنظر إلى موضع المذبوح عنه، وهكذا روى الحسن عن أبی يوسف -رحمه الله :-يعتبر المكان الذی يكون فيه الذبح ولا يعتبر المكان الذی يكون فيه المذبوح عنه، وإنما كان كذلک؛ لأن الذبح هو القربة فيعتبر مكان فعلها لا مكان المفعول عنه.

(7)......وإن كان الرجل فی مصر وأهله فی مصر آخر فكتب إليهم أن يضحوا عنه روى عن أبی يوسف أنه اعتبر مكان الذبيحة فقال :

ینبغی لهم أن لا یضحوا عنه حتی یصلی الإمام الذی فیه أهله، وإن ضحوا عنه قبل أن یصلی لم یجزه، وهو قول محمد -علیه الرحمة -وقال الحسن بن زیاد :انتظرت الصلاتین جمیعا وإن شکوا فی وقت صلاة المصر الآخر انتظرت به الزوال فعنده لا یذبحون عنه حتی یصلوا فی المصرین جمیعا، وإن وقع لهم الشک فی وقت صلاة المصر الآخر لم یذبحوا حتی تزول الشمس فإذا زالت ذبحوا عنه.

(وجه) قول الحسن أن فیما قلنا اعتبار الحالین حال الذبح وحال المذبوح عنه فکان أولی ولأبی یوسف ومحمد رحمهما الله أن القربة فی الذبح، والقربات المؤقتة یعتبر وقتها فی حق فاعلها لا فی حق المفعول عنه. (بدائع الصنائع، ج۵، ص۷۳، و۷۴، کتاب التضحیة، فصل فی شرائط جواز إقامة الواجب فی الأضحیة)

مذکورہ عبارت میں پہلے نمبر پر تو وقت کو شرطِ وجوب اور شرطِ جواز دونوں قرار دیا گیا ہے، اور ''کوقت الصلاۃ'' کے الفاظ سے اس کی توضیح کی گئی ہے۔

پھر دوسرے نمبر پر واضح کیا گیا ہے کہ دس ذی الحجہ کے طلوعِ فجر سے پہلے کسی کو بھی قربانی کرنا جائز نہیں، خواہ اہلِ مصر ہوں یا اہلِ قریہ۔

پھر تیسرے نمبر پر اہلِ مصر کے حق میں نمازِ عید کے ایک شرطِ زائد ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول اور بعض صورتوں کی تفریع کی گئی ہے۔

پھر چوتھے نمبر پر مضحّی اور اضحیۃ کے شہر اور دیہات میں ہونے کے مسئلہ کی تفریع کرتے ہوئے پہلی صورت یہ ذکر کی گئی ہے کہ اگر من علیہ الاضحیۃ (یعنی مضحی) اور شاۃ (یعنی اضحیۃ) دونوں ایک شہر میں ہوں، تو شرطِ زائد کامن کل الوجوہ (یعنی اضحیۃ اور من علیہ

www.idaraghufran.org

الاضحیۃ کی دونوں جہتوں کی رُو سے ) حکم عائد ہونے کی وجہ سے نمازِ عید کا ہونا شرط ہوگا۔

پھر پانچویں نمبر پر دوسری صورت یہ ذکر کی گئی ہے کہ اگر من علیہ الاضحیۃ (یعنی مضحی ) شہر میں اور شاۃ (یعنی اضحیۃ) گاؤں یا جنگل وغیرہ میں ہو، جہاں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی، تو مضحی کے اذن وحکم سے شہر وگاؤں میں طلوعِ فجر ہونے کے بعد، مگر شہر میں عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی جائز ہے، کیونکہ من علیہ الاضحیۃ کے حق میں طلوعِ فجر پائے جانے کی وجہ سے قربانی واجب اور مشروع ہوچکی ہے، اور مقامِ اضحیۃ میں شرطِ زائد (یعنی عید کی نماز) لازم نہیں۔

پھر چھٹے نمبر پر مذکورہ دوسری صورت کے برعکس تیسری صورت یہ ذکر کی گئی ہے کہ اگر من علیہ الاضحیۃ (یعنی مضحی ) گاؤں یا جنگل میں ہو جہاں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی، اور شاۃ (یعنی اضحیۃ) شہر میں ہو تو مضحی کے اذن وحکم سے شہر وگاؤں میں طلوعِ فجر ہونے کے بعد (کما ھو ظاھر من لفظ عکسہ ) شہر میں عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی جائز نہیں، کیونکہ اگرچہ من علیہ الاضحیۃ کے حق میں طلوعِ فجر پائے جانے کی وجہ سے قربانی واجب اور مشروع ہوچکی ہے، لیکن مقامِ اضحیۃ میں شرطِ زائد (یعنی کی عید کی نماز) لازم ہے اور مذکورہ (یعنی دوسری اور تیسری) دونوں صورتوں میں شرطِ زائد کا اعتبار مکانِ شاۃ (یا محلِ اضحیۃ) کا ہے نہ کہ مکانِ من علیہ الاضحیۃ (یا مضحی) کا،

**ھکذا ذکر محمد فی النوادر۔**

پھر ساتویں نمبر پر اسی پہلو کا ایک مسئلہ یہ ذکر کیا گیا کہ اگر ایک شخص ایک شہر میں ہو، اور اس کے گھر والے دوسرے شہر میں ہوں (جس کی وجہ سے شرطِ زائد یعنی نمازِ عید کا ہونا دونوں جگہ ضروری ہو) اور وہ اپنے گھر والوں کو اپنی قربانی کا وکیل و نائب بنائے تو اس صورت میں چونکہ دونوں مقامات شہر ہیں جہاں کہ اضافی شرطِ اداء یعنی عید کی نماز کا ہونا شرط ہے (اور یہ مسئلہ پہلی صورت سے مختلف ہے جس میں مضحّی اور اُضحیہ کے حق میں شہر اور گاؤں ہونے کے

اعتبار سے اس شرط میں فرق تھا)

تو آیا اس صورت میں عید کی نماز کے مضحّی کے شہر میں ہونے کا اعتبار کیا جائے، یا پھر اُضحیہ و محلِّ ذبح والے شہر میں؟

امام ابو یوسف کی روایت اور امام محمد کے قول میں اعتبار محلِّ اُضحیہ یا مقامِ ذبیحہ کا کیا گیا ہے، اور حسن بن زیاد کا یہ قول ذکر کیا گیا ہے کہ وہ دونوں شہروں کی نماز کے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور اگر دوسرے شہر میں عید کی نماز کے وقت میں شک ہو تو زوال تک انتظار کرنا چاہیے، غرضیکہ حضرت حسن بن زیاد دونوں شہروں میں نماز کا اعتبار کرتے ہیں، اور شک کی صورت میں زوال کا اعتبار کرتے ہیں۔

اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ صرف مقامِ اُضحیہ میں عید کی نماز کا اعتبار کرتے ہیں۔ لہٰذا اس آخری صورت کا تعلق بھی پہلی صورتوں کی طرح عید کی نماز کے شرطِ ادا ہونے سے ہوا، نہ کہ سببِ وجوب شروع و ختم ہونے سے۔

اس عبارت کے بقدرِ ضرورت حصہ کو ہم نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۲۷ پر بھی نقل کیا ہے۔

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مکانِ مضحی اور اضحیۃ کے معتبر ہونے نہ ہونے کی یہ تمام متفق علیہ یا مختلف فیہ صورتیں دونوں مقامات پر سببِ وجوب، یا بالفاظِ دیگر طلوعِ فجر یوم النحر کے بعد عید کی نماز کے شرط ہونے نہ ہونے کے درمیان دائر ہیں، اور کسی ایک صورت میں بھی کسی قول کے مطابق طلوعِ فجر یوم النحر سے قبل یا ایام اضحیۃ گزر جانے اور ختم ہو جانے کے بعد قربانی کے جواز کا حکم مذکور نہیں، اور جب حنفیہ کے نزدیک طلوعِ فجر یوم النحر سے قبل کسی صورت میں قربانی جائز نہیں، تو دیگر فقہائے کرام کے نزدیک بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی، چونکہ ان کے نزدیک طلوعِ شمس سے قبل ہی قربانی جائز نہیں، خواہ طلوعِ فجر بھی ہو چکا ہو۔

پس اس عبارت سے جس طرح مضحّی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوئے بغیر قربانی کے

www.idaraghufran.org

جواز کی دلیل پکڑنا درست معلوم نہیں ہوا، اسی طرح مضحی کے حق میں سببِ وجوب ختم ہونے کے بعد اس کی طرف سے قربانی کے اداء ہونے کی دلیل پکڑنا بھی درست معلوم نہیں ہوا۔

جہاں تک دارالعلوم کراچی کے منسلکہ فتویٰ کے آخر میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کی اس رائے کا تعلق ہے کہ:

''جواب درست ہے کہ مؤکل پر نفسِ وجوب ہوئے بغیر وکیل کی طرف سے قربانی معتبر نہیں، لیکن اگر مؤکل کے شہر میں ایامِ اُضحیۃ ختم ہو چکے ہیں، اور وکیل کے شہر میں باقی ہیں، اور وہ مؤکل کی طرف سے قربانی کرتا ہے تو اس میں جواز وعدمِ جواز دونوں احتمالات ہیں، اور جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وکیل جب اپنے ایامِ اُضحیہ میں قربانی کی نیت سے ذبح کیا، تو وہ قربانی تو ہوئی، اور مؤکل کی طرف سے ہوئی، عدمِ جواز کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہنا ہوگا کہ یہ تطوع ہوا، اور واجب اس سے ساقط نہ ہوا، لیکن جب تطوّع اور وجوب میں تعارض ہو تو فراغ کے ذمہ کی جانب راجح ہوتی ہے، لیکن چونکہ احتمال دوسرا بھی ہے، اس لیے احتیاط پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۴۲۹/۱/۲۶

تو چونکہ یہ رائے دارالعلوم کراچی کے منسلکہ فتویٰ پر اور دارالعلوم کراچی کی مبحوث فیہ ومتنازع صورت بدائع کی مذکورہ بالا عبارت پر مبنی ہے، جس پر کلام پہلے گزر چکا ہے اس لیے اس کے تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔

رہا مؤکل کے شہر میں ایامِ اُضحیہ ختم ہو جانے اور وکیل کے شہر میں باقی رہنے کی صورت میں جواز وعدمِ جواز کے دونوں پہلوؤں کا حکم فرمانا، تو اس کا جواب مذکورہ رائے کے شروع میں ہی ان الفاظ میں مذکور ہے کہ:

www.idaraghufran.org

’’مؤکل پر نفسِ وجوب ہوئے بغیر وکیل کی طرف سے قربانی معتبر نہیں‘‘

لہٰذا مذکورہ اصول کی بنا پر مؤکل پر نفسِ وجوب ختم ہوجانے کے بعد بھی قربانی اداء سے نکل کر قضا یعنی تصدق بن جاتی ہے، لہٰذا اس کو اداء قرار دینا بھی درست نہیں، اور رہا یہ فرمانا کہ:

’’وکیل نے جب اپنے ایامِ اُضحیۃ میں قربانی کی نیت سے ذبح کیا، تو قربانی تو ہوئی، اور موکل کی طرف سے ہوئی‘‘

تو اس بارے میں عرض ہے کہ وکیل کا فعل وتصرف موکل کا فعل وتصرف کہلاتا ہے، لہٰذا جس وقت وکیل جانور ذبح کرے گا، تو اسی وقت موکل کی طرف سے ذبح کرنا کہلائے گا، اور حنفیہ کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ قربانی کا وقت ختم ہوجائے، یعنی بارہ ذی الحجہ کا غروب ہوجائے، تو وہ قربانی تصدق سے تبدیل ہوجاتی ہے، اور حیوان معین نہ ہونے کی صورت میں تصدق میں اختیار ہوتا ہے کہ درمیانی درجے کا کوئی حیوان صدقہ کردے، یا اس کی قیمت، اور اگر کسی معین جانور کی نذر ہو، یا بقول مشہور شراءِ فقیر سے حیوان متعین ہوگیا ہو، تو اسی حیوان کا زندہ تصدق لازم ہوتا ہے۔ [1]

اور اس کے بعد یہ فرمانا کہ:

’’عدمِ جواز کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہنا ہوگا کہ یہ تطوع ہوا، اور واجب اس سے ساقط نہ ہوا، لیکن جب تطوّع اور وجوب میں تعارض ہو تو فراغ کے ذمہ کی جانب راجح ہوتی ہے‘‘

تو یہاں یہ بات بظاہر بے جوڑ معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہاں تطوع اور وجوب میں تعارض سے بحث نہیں ہے، بلکہ اداء اور قضاء سے بحث ہے، اور حنفیہ کے قواعد سے یہ طے ہے کہ اس صورت میں مضحی کے حق میں سببِ وجوب ختم ہوجانے کی وجہ سے یہ قربانی ادا نہ کہلائے

---

[1] تاہم یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، دیگر فقہائے کرام کے نزدیک یہ حکم نہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض معاصر علماء کے نزدیک چوتھے دن بھی قربانی جائز ہے، جس کی وجہ سے، اس صورت میں عدمِ جواز کی طرف، رجحان ہونے کے باوجود، بعد میں اس صورت کو خلافِ احتیاط قرار دیا گیا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

گی، اور صرف ذبح سے فراغِ ذمہ نہ ہوگا، تا آنکہ تصدق نہ کیا جائے، جبکہ مذکورہ رائے میں نفسِ ذبح کے عمل کو فراغِ ذمہ قرار دے کر تصدق کو غیر لازم کیا جارہا ہے، حالانکہ قربانی عبادتِ مالیہ ہے، اور اس میں تصدق کے بجائے اتلاف یا ''اراقۃِ دَم'' کا تقرب ہونا خلافِ قیاس تھا، جس کو نص کی وجہ سے گوارا کیا گیا ہے، اور نص سے اس کا تقرب ہونا وقتِ مخصوص کے ساتھ مقید ہے، پس جب وقتِ مخصوص گزر گیا تو اس کا اراقۃِ دَم کی شکل میں تقرب ہونا باقی نہیں رہا، بلکہ اصل قیاس کے مطابق تصدق بن گیا، لہٰذا خلافِ قیاس نص سے ثابت شدہ عمل کے تقرب ہونے میں تطوع اور وجوب میں تعارض کا مذکورہ بالا قاعدہ جاری فرما کر تصدق کے بغیر فراغِ ذمہ کی جانب کو راجح قرار دینا بھی خود محلِ نظر ہے، کیونکہ مذکورہ تفصیل سے معلوم ہو چکا کہ یہاں تطوع اور وجوب کے بجائے اداء وقضاء میں تعارض کا قاعدہ جاری ہوتا ہے، اور وقت ختم ہوجانے کی وجہ سے من علیہ الاضحیۃ پر اضحیۃ قضاء ہو چکی ہے، اور اراقۃِ دم سے نکل کر تصدق بن چکی ہے، اور وکیل کا تصرف مؤکل کا تصرف کہلاتا ہے، لہٰذا جس وقت وکیل نے ذبح کیا، تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس کے مؤکل نے ذبح کیا، اور اس وقت مؤکل پر ''اراقۃِ دَم'' کے بجائے تصدق واجب ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ میں دارالعلوم کراچی سے مؤرخہ 23/ 8/ 1420، کو جو فتویٰ نمبر ۱/۳۹۳ جاری ہوا، اور ماہنامہ ''البلاغ'' دارالعلوم کراچی، ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ میں شائع ہوا، ہمیں اصولی اعتبار سے اس سے اتفاق ہے، اور اس مکمل فتویٰ کو ہم نے اپنے رسالہ میں بھی نقل کیا ہے، جس میں یہ مذکور ہے کہ:

> اس لئے دوسرے ممالک میں قربانی کرانے والوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے وکیلوں کو اس بات کا پابند بنائیں کہ ہمارے جانور کو اس دن ذبح کریں، جس دن ہمارے یہاں بھی ایامِ نحر میں سے کوئی دن ہو۔

جس کا مطلب یہی ہے کہ وکیل اس بات کا پابند ہے کہ وہ ایسے وقت قربانی کرے، جب کہ

www.idaraghufran.org

مؤکل کے یہاں قربانی کا وقت شروع ہو گیا ہو، اور ختم نہ ہوا ہو۔

اور بنوری ٹاؤن، کراچی کا فتویٰ بھی یہی ہے، اور اس فتویٰ میں بھی دارالعلوم کراچی کے مذکورہ فتوے کا ذکر ہے۔

چنانچہ بنوری ٹاؤن کے فتوے میں مذکور ہے کہ:

اس پوری تفصیل کا لبِ لباب اور خلاصہ یہ ہوا کہ قربانی کروانے والے (مؤکل) اور کرنے والے (وکیل) کے مکان میں اگر اختلاف اور فرق ہو تو دونوں جگہوں میں دیگر شرائط کے ساتھ ایامِ نحر کا پایا جانا ضروری ہے۔

اور مذکور ہے کہ:

باقی زیرِ بحث مسئلہ کے بارے میں استفتاء کے ہمراہ منسلکہ دارالعلوم کراچی کے فتویٰ کو بغور پڑھنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس فتویٰ کی رو سے مطلق جانور کا محل معتبر نہیں بلکہ مؤکل پر بھی نفسِ وجوب کا پایا جانا ضروری ہے، یعنی دونوں جگہوں پر ایامِ نحر کا پایا جانا ضروری ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں ان کے فتویٰ اور ہمارے فتویٰ میں کوئی اختلاف نہیں۔ فقط۔ واللہ اعلم

کتبہٗ، طارق جمیل، متخصص فی الفقہ الاسلامی

الجواب صحیح: محمد عبدالمجید دین پوری

الجواب صحیح: محمد انعام الحق محمد، محمد شفیق عارف، محمد داؤد

جامعہ علومِ اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی

(ماخوذ از: ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ذیقعدہ ۱۴۳۰، نومبر 2009ء، جلد ۷۲، شمارہ ۱۱)

فنقول إنها لا تقضى بالإراقة؛ لأن الإراقة لا تعقل قربة وإنما جعلت قربة بالشرع فی وقت مخصوص فاقتصر كونها قربة على الوقت المخصوص فلا تقضى بعد خروج الوقت، ثم قضاؤها قد يكون بالتصدق بعين الشاة حية وقد يكون بالتصدق بقيمة الشاة؛ فإن كان أوجب التضحية على نفسه بشاة بعينها فلم يضحها حتى مضت أيام

www.idaraghufran.org

النحر يتصدق بعينها حية؛ لأن الأصل فى الأموال التقرب بالتصدق بها لا بالإتلاف وهو الإراقة إلا أنه نقل إلى الإراقة مقيدا فى وقت مخصوص حتى يحل تناول لحمه للمالک والأجنبى والغنى والفقير؛ لكون الناس أضياف الله -عز شأنه -فى هذا الوقت، فإذا مضى الوقت عاد الحكم إلى الأصل وهو التصدق بعين الشاة سواء كان موسرا أو معسرا لما قلنا(بدائع الصنائع، ج۵، ص۶۸، کتاب التضحية، فصل فى أنواع كيفية الوجوب)

**ما يجب بفوات وقت التضحية:**

ولما كانت القربة فى الأضحية بإراقة الدم،وكانت هذه الإراقة لا يعقل السر فى التقرب بها، وجب الاقتصار فى التقرب بها على الوقت الذى خصها الشارع به .فلا تقضى بعينها بعد فوات وقتها، بل ينتقل التقرب إلى التصدق بعين الشاة حية، أو بقيمتها أو بقيمة أضحية مجزئة، فمن عين أضحية شاة أو غيرها بالنذر أو بالشراء بالنية فلم يضح بها حتى مضت أيام النحر وجب عليه أن يتصدق بها حية، لأن الاصل فى الاموال التقرب بالتصدق بهالابالاتلاف وهوالاراقة الاان الشارع نقله الى اراقة دمها مقيدة بوقت مخصوص حتى انه يحل اكل لحمهاللمالک والاجنبى والغنى والفقير ،لان الناس اضياف الله تعالىٰ فى هذاالوقت (الموسوعة الفقهية ،ج۵، ص۹۳،مادة اضحية)

التضحيةثبتت قربة بالنص واحتمل ان يكون التصدق بعين الشاة اوقيمتهااصلاً لانه هوالمشروع فى باب المال كمافى سائرالصدقات الاان الشرع نقل من الاصل الى التضحية وهونقصان فى المالية (كشف الاسرارج ۱ ص ۳۴۲ باب الامر،القضاء نوعان اما بمثل معقول واما بمثل غيرمعقول)

ولناان هذه (اى صدقة الفطر)صدقة مالية فلاسقط بعد الوجوب الابالاداء كزكاة المال ولانقول الاضحية تسقط بل ينتقل الواجب الى التصدق بالقيمة لان اراقة الدم لاتكون قربة الافى وقت مخصوص اومكان مخصوص ،فاماالتصدق بالمال فهوقربة فى كل وقت(المبسوط للسرخسي ج ۲الجزء الثالث ص ۱۲۲ باب صدقة الفطر)

ولانه متمكن من التقرب بالتصدق فی سائر الاوقات ولايتمكن من التقرب باراقة الدم الافی هذه الايام ............واما بعد مضی ايام النحرفقد سقط معنى التقرب باراقة الدم،لانها لاتكون قربة الافی مكان مخصوص وهوالحرم وفی زمان مخصوص وهوايام النحر ،ولكن يلزمه التصدق بقيمة الاضحية اذاكان ممن تجب عليه الاضحية ،لان تقربه فی ايام النحر كان باعتبار المالية فيبقى بعد مضيها ،والتقرب بالمال فی غيرايام النحر يكون بالتصدق ،ولانه كان يتقرب بسببين اراقة الدّم،والتصدّق باللحم وقد عجز عن احدهماوهوقادر على الاخر فياتی بما يقدر عليه (المبسوط للسرخسی ملخصاً ج٦ الجزء الثانی عشر ص١٨ باب الاضحية،اول وقت الاضحية)

فقط

واللہ سبحانہٗ وتعالٰی أعلم

محمد رضوان خان

20/محرم الحرام/1434ھ 5/دسمبر/2012ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

## (ضمیمۂ اولیٰ)

## رائے گرامی

# حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

(نائب صدر، جامعہ دارالعلوم کراچی)

مذکورہ تحریرات کے بعد ایک مرتبہ پھر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم سے اس سلسلہ میں مکاتبت ہوئی، جس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب موصوف کی طرف سے درجِ ذیل جواب موصول ہوا ۔محمد رضوان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مفتی محمد رضوان صاحب زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آپ اپنی متعدد تحریرات بندہ کو اظہارِ رائے کے لئے بھیجتے رہے ہیں، بعض پر اپنی رائے مختصراً عرض بھی کی ہے، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ''رأی الضعیف ضعیف''

اب کچھ عرصہ قبل مقامِ تضحیۃ سے متعلق مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے نام آپ کی تحریر بھی پہنچی تھی، جس کی نقل آپ نے بندہ کو بھی بھیجی تھی، بندہ نے اس پر غور بھی کیا، لیکن جیسا کہ پہلے بھی خیال تھا، معاملہ ذووجہین ہے، اور احتیاط کا پہلو اختیار کرنے ہی کا مشورہ دینا چاہئے، البتہ احتمالِ جواز کے بالکلیہ بطلان پر اب بھی دل مطمئن نہ ہوا۔

اس پر غور فرمایا جائے کہ اگر ایک شخص اپنے شہر میں 12 ذی الحجہ کا بیشتر دن گزار کر ایسے شہر میں چلا جائے، جہاں ابھی 11 ذوالحجہ ہے، تو کیا اس کے حق میں جائز ہوگا کہ وہ اگلے دن (جو وہاں کے لحاظ سے 12 ذوالحجہ ہے) قربانی کرے؟..................

اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے علم وعمل اور فیوض میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

www.idaraghufran.org

والسلام

بندہ محمد تقی

۲۴/۱۲/۳۵ھ

# معروضات

## (مفتی محمد رضوان خان)

بندہ محمد رضوان نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کے مذکورہ مکتوب کے جواب میں درج ذیل تحریر ارسال کی تھی، جس پر حضرت مفتی صاحب موصوف نے نظرِ ثانی فرما کر اس تحریر ہی کے ضمن میں چند مقامات پر اپنی رائے کا اظہار فرمایا، اور الگ سے جواب میں یہ تحریر فرمایا:

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! حسبِ فرمائش چند امور جو ذہن میں آئے، عرض کر دیئے۔

والسلام۔

محمد تقی۔۲۱/۱/۱۴۳۶ھ"

حضرت والا کی اس رائے کے الفاظ کو بھی مندرجہ ذیل تحریر میں بین القوسین ان کے اسمِ گرامی کے ساتھ امتیاز کر کے شامل کر لیا گیا ہے۔

محمد رضوان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معظّم ومحترم حضرت والا صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

جناب والا کا مکتوب موصول ہوا، جس میں جناب والا نے "مقامِ تضحیة" سے متعلق رائے عالی تحریر فرمائی ہے، جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

بندہ کا ذاتی رجحان بھی اسی طرف ہے کہ قربانی دوسری جگہ کرانے کی صورت میں صاحبِ اضحیة اور مقامِ اضحیة دونوں کے اوقات کو ملحوظ رکھ کر قربانی کرنی چاہیئے، تاکہ قربانی کا عمل جو کہ خلافِ قیاس اور قربتِ غیر معقولہ ہے، بلاشک وشبہ ادا ہو جائے۔

www.idaraghufran.org

اور یہ صورت کہ صاحبِ اضحیۃ کے مقام پر بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہو چکا ہو، اور مقامِ اضحیۃ میں ابھی بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب نہ ہوا ہو، بہر حال کم از کم درجہ میں خلافِ احتیاط ضرور ہے، جس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

تاہم اگر کسی نے ایسا کرلیا، تو چونکہ موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں (جیسا کہ آگے حوالہ آتا ہے) اور عوام میں دین کے احکام اور بطور خاص مجتہد فیہ دقیق مسائل سے واقفیت کا غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چوتھے دن یعنی تیرہ ذی الحجہ کے دن کا سورج غروب ہونے تک قربانی جائز ہے، اگرچہ یہ قول دیگر جمہور فقہائے کرام کے خلاف ہے، لیکن ایک جلیل القدر مجتہد و امام کا قول ہے، اور دنیا کے مختلف اور دور دراز کے علاقوں میں اکثر و بیشتر زیادہ سے زیادہ ایک دن کی تاریخ کا فرق ہوتا ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں قربانی کو درست قرار دیئے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے (بس یہی مقصود ہے۔ محمد تقی عثمانی)

خاص طور پر جبکہ ایسے وقت قربانی کی جائے کہ صاحبِ اضحیۃ کے ہاں تیرہ ذی الحجہ کا سورج غروب نہ ہوا ہو۔ [1]

---

[1] وقت ذبح الأضحية والهدى ثلاثة أيام: يوم الأضحى، وهو اليوم العاشر من ذى الحجة والحادى عشر والثانى عشر، فيدخل اليوم الأول والثانى من أيام التشريق، وهذا عند الحنفية والحنابلة وهو المعتمد عند المالكية، وقد روى ذلك عن غير واحد من أصحاب رسول الله ﷺ، ورواه الأثرم عن ابن عمر وابن عباس، ولأن النبى ﷺ نهى عن الأكل من النسك فوق ثلاث وغير جائز أن يكون الذبح مشروعا فى وقت يحرم فيه الأكل، ثم نسخ تحريم الأكل وبقى وقت الذبح بحاله. وقد ورد عن بعض أهل المدينة إجازة الأضحية فى اليوم الرابع. وعند الشافعية يبقى وقت ذبح الأضحية والهدى إلى آخر أيام التشريق، وهو الأصح، كما قطع به العراقيون، وقد روى عن جبير بن مطعم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كل أيام التشريق ذبح وروى عن على رضى الله تعالى عنه أنه قال: النحر يوم الأضحى وثلاثة أيام بعده وبه قال الحسن وعطاء والأوزاعى وابن المنذر (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۷ ص ۳۲۱، ۳۲۲، مادة "ايام التشريق")

www.idaraghufran.org

لیکن قربانی کرنے سے پہلے لوگوں کو بہرحال اس سے منع ہی کرنا چاہئے (بالکل درست ہے۔محمد تقی عثمانی)۔**هٰذا آخر رأیی فی هٰذه المسئلة الی الآن۔**

البتہ حضرت والا نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

اس پر غور فرمایا جائے کہ اگر ایک شخص اپنے شہر میں 12 ذی الحجہ کا بیشتر دن گزار کر ایسے شہر میں چلا جائے، جہاں ابھی 11 ذوالحجہ ہے، تو کیا اس کے حق میں جائز ہوگا کہ وہ اگلے دن (جو وہاں کے لحاظ سے 12 ذوالحجہ ہے) قربانی کرے؟

تو حضرت والا کی تحریر کے پیشِ نظر اس کی چند صورتیں محتمل ہیں:

ایک یہ کہ وہ شخص اپنی قربانی کرنے اور بارہ ذی الحجہ کے غروب سے قبل اپنے علاقہ سے نکل کر دوسرے ایسے علاقہ میں چلا جائے، جہاں ابھی بارہ ذی الحجہ کا غروب نہ ہوا ہو، اور وہاں جا کر خود ہی قربانی کرے۔ تو وہاں جا کر اس کو دوسرے علاقہ کے بارہ ذی الحجہ کا غروب ہونے تک قربانی کرنے میں کوئی حرج نہیں (خواہ پہلی جگہ میں ''جہاں سے وہ سفر کر کے گیا تھا'' بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہو چکا ہو، پس اب اس کے لئے وہاں پر پہلے سے موجود یا وہاں کے مستقل باشندوں کی طرح حکم ہو گیا)

کیونکہ اس کے حق میں قربانی کا سببِ وجوب شروع ہو چکا ہے، اور ابھی تک ختم نہیں ہوا، البتہ کچھ طویل ہو گیا ہے، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی جگہ روزہ رکھ کر جہاز وغیرہ میں سوار ہو کر ایسے علاقہ میں چلا جائے، جہاں سورج غروب ہونے کا وقت، مبدءِ سفر، یا مبدءِ صوم والے علاقہ سے مؤخر ہو، تو اب اس کو وہاں دوسرے علاقہ کے اعتبار سے (جہاں وہ موجود ہے، وہاں پر پہلے سے موجود دوسرے لوگوں کی طرح) سورج غروب ہونے تک کھانے پینے سے رُک کر روزہ پورا کرنے کا حکم ہوگا۔

مگر اس صورت سے ہمارے مبحوث فیہ مسئلہ کے جواز وعدمِ جواز سے تعلق نظر نہیں آتا، کیونکہ اس صورت میں وقتِ اضحیة، صاحبِ اضحیة اور مقامِ اضحیة کے اوقات میں تفاوت

www.idaraghufran.org

نہیں پایا جاتا، اور ہمارے زیرِ بحث مسئلہ تفاوت والا ہے (تعلق یہ ہے کہ اگر وہاں خود جا کر اضحیة جائز ہے، تو توکیل کا جواز بھی محتمل ہے، جبکہ توکیل، موکل کے شہر میں بارہ ذی الحجہ کے غروب سے پہلے ہوئی ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔ محمد تقی عثمانی) [1]

---

[1] حضرت والا کا یہ فرمانا کہ: ''تعلق یہ ہے کہ اگر وہاں خود جا کر اضحیة جائز ہے، تو توکیل کا جواز بھی محتمل ہے، جبکہ توکیل، موکل کے شہر میں بارہ ذی الحجہ کے غروب سے پہلے ہوئی ہو''

تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ متن میں مذکور مندرجہ بالا محتمل صورت اوقات کے عدمِ تفاوت والی ہے، جس میں قربانی کی توکیل نہیں پائی جارہی، بلکہ اصیل خود قربانی کررہا ہے، لہٰذا اس صورت میں خود قربانی کرنے کے مسئلہ سے تو کوئی تعلق نظر نہیں آتا، اور حضرت والا نے جو مثال بیان فرمائی تھی، اس میں پہلی جگہ غروب دوسری جگہ سے قبل ہورہا تھا، اور اب جو اس کے ساتھ تعلق ہونے کی وضاحت فرمائی ہے، اس کے پیشِ نظر ہمارے خیال میں مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ شخص دوسری جگہ جہاں گیارہ ذی الحجہ ہے، پہنچ کر پہلی جگہ بطور توکیل ذبح کرائے، جہاں بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہوچکا ہے، جس کے مطابق یہ صورت بنتی ہے کہ اس کی اضحیة بطورِ توکیل کسی ایسی جگہ کی جائے، جہاں تیسرے دن یعنی بارہ ذی الحجہ کا غروب ہوچکا ہو، اور ہماری شروع سے بحث اسی صورت پر مبنی ہے، جبکہ موکل کی طرف سے توکیل متحقق ہوچکی ہو، اور ظاہر ہے کہ قربانی کی توکیل اسی وقت درست ہوسکتی ہے، جبکہ موکل کو خود سے قربانی کرنا جائز ہو، اور اگر موکل کے ہاں قربانی کے ایام ختم ہوچکے ہوں، تو چونکہ اس کے حق میں عندالحنفیة قربانی کی قضاء متحقق ہوچکی ہے، اس لئے اب جس طرح اس کو خود قربانی کرنا کافی نہیں، بلکہ تصدق متعین ہے، اسی طرح دوسرے کو بھی قربانی کے بجائے تصدق کی توکیل جائز ہونی چاہئے، کیونکہ یہ بات اپنی جگہ طے ہوچکی ہے کہ توکیل اسی فعل کی معتبر ہوتی ہے، جو کام موکل کو خود سے کرنا جائز ہو، اب وقت گزرنے کے بعد اگر وہ خود جانور ذبح کرے، تو قربانی ادا نہیں ہوتی، بلکہ تصدق ضروری ہوتا ہے، اسی طرح وقت گزرنے کے بعد اس کو ''اراقةِ دَم'' کے بجائے تصدق ہی کی توکیل جائز ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ اگر موکل نے اپنے ہاں وقت گزرنے کے بعد کسی کو اپنی قربانی کی توکیل کی، تو اس سے ادائے قربانی کی توکیل ہی درست نہیں، کیونکہ اس وقت اس پر قربانی کی قضا متحقق ہوچکی ہے، وہ الگ بات ہے کہ وکیل پر اس کا تاوان لازم نہ ہو، جبکہ وکیل نے اپنے ہاں قربانی کا وقت موجود ہونے کی صورت میں قربانی کی ہو، اور اگر قربانی کی توکیل اس وقت کی، جبکہ اس پر ادائے قربانی کا حکم ہو، تو اس وقت کے بعد جبکہ اس کے ہاں قربانی کا وقت ختم ہونے سے قضا متحقق ہوچکی ہو، خواہ مقامِ اضحیة میں وقت باقی ہو، تو باوجود اس کے کہ اس کی توکیل درست تھی، لیکن اس وقت محض ''اراقةِ دَم'' سے اس کی قربانی ادا نہیں ہونی چاہئے۔

جیسا کہ بندہ نے اپنے رسالہ میں ''مقامِ مضحی واضحیة کے اوقات متفاوت ہونے کی ممکنہ صورتیں'' کے ذیل میں اس مسئلہ کی بایں الفاظ تعبیر کی ہے:

> ''مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہوچکا ہے، لیکن مقامِ اضحیة میں تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا، تو ''اراقةِ دَم'' سے اس کی قربانی ادا نہیں ہوگی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

دوسری صورت یہ محتمل ہے کہ وہ شخص قربانی کرنے اور 12 ذی الحجہ کے غروب سے قبل اپنے علاقہ سے نکل کر دوسرے ایسے علاقہ میں چلا جائے، جہاں ابھی بارہ ذی الحجہ کا غروب نہ ہوا ہو، لیکن اس کی قربانی بطورِ توکیل پہلے علاقہ میں وہاں بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے سے قبل کی جائے۔

تو اس صورت کے جواز میں کوئی شبہ محسوس نہیں ہوتا، کیونکہ صاحبِ اضحیۃ اور مقامِ اضحیۃ دونوں کے اعتبار سے قربانی کا وقت موجود ہے، اور کسی مقام کے اعتبار سے بھی وقت ختم نہیں ہوا۔

تیسری صورت یہ محتمل ہے کہ وہ شخص قربانی کرنے اور بارہ ذی الحجہ کے غروب سے قبل اپنے علاقہ سے نکل کر دوسرے ایسے علاقہ میں چلا جائے، جہاں ابھی بارہ ذی الحجہ کا غروب نہ ہوا ہو، لیکن اس کی قربانی بطورِ توکیل پہلے علاقہ میں وہاں بارہ ذی الحجہ کا سورج غروب ہونے کے بعد کی جائے۔

اور بندہ کی نظر میں یہ صورت اپنے مآل اور حکم کے اعتبار سے بعینہٖ وہی ہے، جو پہلے ہمارے مضمون میں زیرِ بحث آ چکی ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ ایک صورت میں وہ شخص پہلے سے اس علاقہ میں موجود ہے، اور دوسری صورت میں وہ اوقاتِ اضحیۃ ختم ہونے سے پہلے اس علاقہ میں پہنچ گیا ہے، ان دونوں شقوں میں حکم کے اعتبار سے بظاہر

---

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

کیونکہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب اور شرطِ اداء ختم ہو جانے کی وجہ سے اس کے ذمہ قضاء متحقق ہو چکی ہے، اور اس کے ذمہ ''اراقۃِ دَم'' کے بجائے تصدق لازم ہو چکا ہے، لہٰذا اب اس کا وجوب اصالتاً و وکالتاً ''اراقۃِ دَم'' سے ادا نہ ہوگا، بلکہ تصدق ضروری ہوگا'' (شرائطُ التضحیۃ فی اوقاتِ الاضحیۃ، صفحہ ۷۶، ۷۷)

لیکن بایں ہمہ مذکورہ صورت میں قربانی کو درست قرار دیئے جانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، خاص طور پر جبکہ ایسے وقت قربانی کی جائے کہ صاحبِ اضحیۃ کے ہاں تیرہ ذی الحجہ کا سورج غروب نہ ہوا ہو، لیکن قربانی کرنے سے پہلے لوگوں کو بہر حال اس سے منع ہی کرنا چاہئے۔ جس کی وجوہات اوپر متن میں ذکر کی جا چکی ہیں۔ محمد رضوان۔

www.idaraghufran.org

کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ [1]

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ.

محمد رضوان خان

04/محرم الحرام/1436ھ 29/اکتوبر/2014ء بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

---

[1] مگر اکثر مجوزین کے نزدیک یہ صورت جائز نہیں، جیسا کہ آگے انڈیا کی قرارداد کے ضمن میں آتا ہے، اور اگر یہ صورت فرض کی جائے کہ مقامِ مضحی میں بارہ ذی الحجہ کا غروب ہو چکا ہے، مگر مقامِ اضحیۃ میں سورج غروب نہیں ہوا، تو ہمارے نزدیک اس کا عدمِ جواز راجح ہے، اور کم از کم خلافِ احتیاط ہے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا، اور آگے بھی انڈیا کی قرارداد کے ضمن میں ذکر آتا ہے۔ محمد رضوان خان۔

www.idaraghufran.org

# اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کی قرارداد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اس سلسلہ میں بندہ کی رائے تو پہلے ذکر کی جا چکی ہے، اور مجوزین کی جس رائے کا پہلے ذکر کیا گیا، اب افادۂ مزیدہ کے طور پر اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے زیرِ انتظام ''ایامِ قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟'' کے مسئلہ پر شرکائے سیمینار کی طرف سے اس پر جو رائے قائم کی گئی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

جو شخص قربانی کا وکیل بنا رہا ہے وہ الگ مقام پر ہو اور جہاں قربانی کی جا رہی ہو، وہ الگ مقام ہو، تو اوقاتِ قربانی کی ابتداء وانتہاء کے سلسلہ میں مقامِ قربانی کا اعتبار ہوگا، بشرطیکہ جس شخص کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے، اس پر 10/ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوگئی ہو، لہٰذا:

**الف:** جس شخص کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے، اگر اس کے یہاں 10/ ذی الحجہ شروع نہیں ہوئی، تو اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، اگرچہ قربانی کئے جانے کے مقام پر اس دن 10/ ذی الحجہ ہو۔

**ب:** جس شخص کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے، اگر اس کے یہاں 12/ ذی الحجہ کا غروبِ آفتاب ہو چکا ہے، لیکن جہاں قربانی ہو رہی ہے، وہاں ابھی 12/ ذی الحجہ باقی ہے، تو اس کی جانب سے قربانی کرنا درست ہے۔

**ج:** جس شخص کی طرف سے قربانی کی جا رہی ہے، اس کے مقام پر 12/ ذی الحجہ کی تاریخ ہے، اور جہاں قربانی کی جا رہی ہے وہاں 12/ ذی الحجہ گزر چکی ہے، تو اب وہاں قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

شق ''الف'' میں درجِ ذیل حضرات کا اختلاف ہے:

www.idaraghufran.org

مفتی رشید احمد فریدی، مفتی عبدالودود ظاہری، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عبدالرب اعظمی، مفتی شوکت ثناء قاسمی، مفتی نعمت اللہ، مولانا محمد کامل قاسمی اور مولانا احتشام الحق۔ان حضرات کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست ہے، البتہ ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ اس صورت میں قربانی نہ کی جائے۔

شق ''ب'' میں مفتی سلمان پالنپوری صاحب کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست نہیں ہے(اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کے اہم فقہی فیصلے، انیسواں فقہی سیمینار، بانسوٹ، گجرات، بتاریخ ۲۷ تا ۳۰ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، بمطابق 12 تا 15 فروری 2010ء)

مذکورہ رائے میں درج شق ''الف'' اور شق ''ج'' میں تو چونکہ اکثر شرکائے سیمینار عدمِ جواز کا رجحان رکھتے ہیں، جس سے ہمیں بھی اتفاق ہے، لیکن شق ''ب'' سے ہمیں اتفاق نہیں، اور ''مفتی محمد سلمان قاسمی پالنپوری صاحب'' کی طرح ہمارا رجحان بھی اس کے عدمِ جواز کی طرف ہے، جس کے دلائل ہم نے اپنے رسالہ ''شرائطُ التضحية فی اوقاتِ الاضحية'' میں ذکر کر دیئے ہیں، اور اس مسئلہ کی ممکنہ ومتوقعہ صورتوں کا خلاصہ ہماری طرف سے حسبِ ذیل الفاظ میں ذکر کیا جا چکا ہے:

(1)......مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، لیکن مقامِ اضحیة میں یوم النحر کی طلوعِ فجر ہو چکی ہے، تو جب تک مقامِ مضحی میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہو جائے، اور اگر مقام اضحیة کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہو جائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ جب تک مقامِ مضحی میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوگی، اُس وقت تک مضحی کے حق میں سببِ وجوب شروع نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اصالتاً اور وکالتاً قربانی کرنا جائز نہیں ہوگا، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، جس کا تعلق اُضحیہ سے ہے۔

www.idaraghufran.org

لہٰذا مقامِ اضحیۃ میں عید کی نماز کا ہونا بھی ضروری ہوگا۔

(2)......مقامِ مضحی میں یوم النحر یعنی دس ذی الحجہ کی طلوعِ فجر ہوچکی ہے، لیکن مقامِ اضحیۃ میں یوم النحر کی طلوعِ فجر نہیں ہوئی، تو جب تک مقامِ اضحیۃ میں بھی یوم النحر کی طلوعِ فجر نہ ہوجائے، اور اگر مقامِ اضحیۃ کوئی شہر ہے تو وہاں کسی ایک مقام پر عید کی نماز بھی نہ ہوجائے، اس وقت تک قربانی کرنا جائز نہیں۔

کیونکہ اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب متحقق ہوچکا ہے، لیکن قربانی کا وقت شرطِ اداء بھی ہے، اور شہر میں عید کی نماز کا ہونا اضافی شرطِ اداء ہے، اور اداء فعل ہے، جس کا تعلق اضحیۃ سے ہے۔

اس لئے مقامِ اضحیۃ میں قربانی کے عمل کی ادائیگی درست ہونے کے لئے وقت اور عید کی نماز کی شرائطِ اداء کا پایا جانا ضروری ہوگا۔

(3)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب ہوچکا ہے، لیکن مقامِ اضحیۃ میں تیسرے دن کا سورج غروب نہیں ہوا، تو ''اراقۃِ دَم'' سے اس کی قربانی اداء نہیں ہوگی۔

کیونکہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب اور شرطِ اداء ختم ہوجانے کی وجہ سے اس کے ذمہ قضاء متحقق ہوچکی ہے، اور اس کے ذمہ ''اراقۃِ دَم'' کے بجائے تصدق لازم ہوچکا ہے، لہٰذا اب اس کا وجوب اصالتاً ووکالتاً ''اراقۃِ دَم'' سے ادا نہ ہوگا، بلکہ تصدق ضروری ہوگا۔

(4)......مقامِ مضحی میں تیسرے دن (یعنی بارہ ذی الحجہ) کا سورج غروب نہیں ہوا، لیکن مقامِ اضحیۃ میں تیسرے دن کا سورج غروب ہوچکا ہے، تو اگرچہ مضحی کے حق میں سببِ وجوب موجود ہے، اور اس کے حق میں قربانی قضاء

نہیں ہوئی۔

لیکن مقامِ اضحیۃ میں وقتِ اداء فوت ہوجانے (یعنی ظاہراً وحساً تیسرے دن کا سورج غروب ہوجانے) کی وجہ سے شرطِ اداء فوت ہوگئی ہے، جس کا تعلق فعلِ ذبح کے ساتھ ہے، اور اس صورت میں سببِ وجوب کا فعلِ اداء سے اتصال واقتران متعذر رہے، اس لئے اس صورت میں بھی قربانی کی ادائیگی کو فقہی اصولوں کے مطابق درست قرار دیا جانا مشکل ہے۔

پس مقامِ مضحی ومقامِ اضحیۃ کے اوقات متفاوت ہونے کی صورت میں قربانی جیسی نازک عبادتِ موقتۃ اور قربتِ غیر معقولہ کو فقہ حنفی کی رو سے شرعی اصولوں کے مطابق انجام دینے کا اسلم واحوط طریقہ یہ ہے کہ دونوں کے مقامات میں وقت کے پائے جانے اور موجود ہونے کا لحاظ کیا جائے، اور مقامِ اضحیۃ اگر کوئی شہر یا قصبہ ہے جس میں عید کی نماز واجب اور درست ہوتی ہے، تو عید کی نماز کے ہونے کا بھی انتظار کیا جائے (شرائطُ التضحیة فی اوقاتِ الاضحیة)

تاہم متعدد علماء چونکہ مذکورہ تیسری صورت کے جواز کے قائل ہیں، اور عوام کو یہ سمجھنا بعض اوقات مشکل بھی ہوتا ہے، اور ایک دن کے تفاوت میں شافعیہ کے قول کے مطابق بھی توسع ہے، اس لئے اگر کوئی اس کے مطابق عمل کرلے، تو اس کی قربانی کو درست قرار دیئے جانے کی گنجائش ہے، لیکن قربانی کرنے سے پہلے بہرحال لوگوں کو منع کرنے میں ہی احتیاط ہے، جیسا کہ چند صفحات پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ فقط۔

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ وَعِلۡمُہٗ اَتَمُّ وَاَحۡکَمُ.

محمد رضوان خان

22/صفرالمظفر/1436ھ 15/دسمبر/2014ء بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(ضمیمہ ثانیہ)

# دارُالعلوم اور مظاہرالعلوم، انڈیا کا مصدقہ موقف

مفتی محمد سلمان قاسمی پالنپوری صاحب (کھلی، جامعہ خلیلیہ اسلامیہ، ماہی، پالن پور، گجرات، انڈیا) کی رائے کے متعلق پیچھے ذکر کیا جاچکا ہے۔

ابھی حال ہی میں مفتی صاحب موصوف کا اس موضوع پر ایک مضمون بعنوان ”کیا تاریخ کے اختلاف کے باوجود، وکیل قربانی کرسکتا ہے؟“ دستیاب ہوا، جو دراصل انہوں نے اس مضمون پر، بندہ کی رائے حاصل کرنے کے لیے ارسال کیا تھا۔

اس مضمون میں انہوں نے اپنے مذکورہ موقف کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

جس کی ”دارُالعلوم دیوبند“ اور ”مظاہرالعلوم، سہارنپور“ کے دارالافتاء سے بھی تصدیق کی گئی ہے۔

اس مضمون کا خلاصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

”تیسرا نقطۂ نظر یعنی دونوں مسئلوں میں عدمِ جواز، ہی دلائل کے اعتبار سے درست ہے، لہٰذا صحتِ ادائے قربانی کے لیے مضحی واضحیۃ دونوں کے مقام پر ایامِ نحر کا موجود ہونا، تو بہرحال ضروری ہے، البتہ وقتِ اداء کا صرف مقامِ اضحیۃ میں موجود ہونا ضروری ہے، مضحی کے مقام پر موجود ہونا ضروری نہیں، بالخصوص اراقۃُ الدَّم یعنی قربانی کا قربت ہونا، موقت ہونا، غیر معقول ہونا، اس کے اداء وقضاء کے طریقہ کا مختلف ہونا، ان میں سے ہر چیز احتیاط دراحتیاط کی متقاضی ہے، جب کہ کوئی قابلِ ذکر دلیل بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نوٹ: دارالعلوم دیوبند، اور مظاہرُ العلوم، سہارنپور کے دارالافتاء نے اس کی

تصدیق کر دی ہے۔

احقر محمد سلمان قاسمی پالنپوری (کھلی)

مفتی مدرسہ جامعہ خلیلیہ، ماہی، شمالی گجرات

یکم/ ربیع الاول/ 1431ھ

## تصدیق حضرات مفتیانِ کرام ''دارُالعلوم دیوبند''

الجواب صحیح:

حبیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ: مفتی دارالعلوم دیوبند، 10/ ربیع الثانی/ 1431ھ۔

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی: نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: وقار علی غفرلہٗ: معین مفتی دارالعلوم دیوبند۔

مہر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

## تصدیق حضرات مفتیانِ کرام ''مظاہرُ العلوم، سہارنپور''

جواب، صحیح، محقق، اور مدلل ہے۔

العبد محمد طاہر عفا اللہ عنہ: مفتی مظاہرُ العلوم، سہارنپور، 23/ 6/ 1431ھ

الجواب صحیح: مقصود، 23/ 6/ 1431ھ

(ماخوذ از ''قربانی کے چند اہم اختلافی مسائل، دلائل کی روشنی میں'' ص ۱۵، ۱۶، جامعہ خلیلہ، ماہی، شمالی گجرات، سن طباعت: جمادی الاولیٰ 1440ھ، جنوری 2019ء)

مذکورہ مسئلے پر ''دارُالعلوم دیوبند'' اور ''مظاہر العلوم، سہارنپور'' کے دارالافتاء سے تصدیق کے بعد بحمد اللہ تعالیٰ، ہمارے موقف کی مزید تائید ہوگئی۔

محمد رضوان خان

09/ ذوالقعدۃ/ 1441ھ 01/ جولائی/ 2020 بروز بدھ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www.idaraghufran.org